ملک صفدر حیات : (سیریز نمبر 23)
FILE.
عقل بند
(تحریر حسام بٹ)
سیف الملوک عباسی - یاسر حسنین - محمد نعمان
- ناصر بلوچ - عقیل قریشی - محمد سجاد تجلی
سسپنس ڈائجسٹ : نومبر 2022

عقل بند

ملک صفدر حیات

اکثر شاطر لوگ خود کو عقلِ کُل سمجھتے ہیں جبکہ کُل عقل کا ذرا سا حصہ ہی اُن کے نام ہو پاتا ہے۔ اس پر اُن کے گھمنڈ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ زمانے کو ٹھوکر پر رکھتے ہیں... مگر بھول جاتے ہیں کہ جب قدرت کی لاٹھی رقص کرتی ہے تو ٹھوکر پر رکھنے والے نہ خود ٹھوکر کھا کر منہ کے بل جا گرتے ہیں بلکہ ٹھکرائے جانے کی تکلیف انہیں پھر کبھی ... نہیں لینے دیتی۔

جاتی ہوئی سردی صحت کے لیے کسی ٹانک سے کم نہیں ہوتی اور یہی فارمولا ہر موسم پر منطبق ہے۔ سیانے کہہ گئے ہیں کہ موسم کوئی بھی ہو، اس کی آمد اپنے ساتھ بیماریاں بھی لے کر آتی ہے لہٰذا احتیاط ضروری ہے اور موسم کی رخصتی صحت اور تندرستی کی پیامبر ہوتی ہے چنانچہ اس سے دل کھول کر استفادہ کرنا چاہیے۔

وہ ماہِ فروری کا وسط تھا۔ موسم سرما رخصت ہوئے گلابی ٹھنڈک چھوڑ گیا تھا اور وہ بھی چند دن کی مہمان تھی۔ میں تھانے میں بیٹھا حسب معمول روزمرہ کے کام نمٹا رہا تھا کہ تین افراد مجھ سے ملنے آ گئے۔ ان کی آمد کی اطلاع کانسٹیبل سیف اللہ نے مجھ تک پہنچائی تھی۔

”ملک صاحب! لاہور سے تین بندے آئے ہیں۔“ کانسٹیبل نے بتایا۔ ”ان میں دو کا تعلق اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ وہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

ان دنوں میری تعیناتی ضلع گوجرانوالہ کے ایک تھانے میں تھی۔ لاہور میرے تھانے سے محض چالیس میل اور لگ بھگ ایک گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ میں نے سیف اللہ سے کہا۔

”انہیں فو... ے پاس بھیجو۔“

آئندہ ایک منٹ کے اندر وہ تینوں میرے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد ان میں سے ایک نے سب کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”ملک صاحب! میں سب انسپکٹر بشارت ہوں اور یہ میرے ساتھ کانسٹیبل حنیف ہے۔“ اس نے اپنے پہلو میں

بیٹھے ہوئے شخص کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ ''جبکہ یہ ہمارے معزز ساتھی علی احمد ہیں۔''

علی محمد اور دونوں پولیس والے اس وقت عوامی لباس میں تھے۔ سب انسپکٹر کی بات مکمل ہونے پر میں نے معتدل انداز میں کہا۔

''آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ بتائیں، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''ملک صاحب! ہمیں آپ کی مدد اور تعاون درکار ہے۔'' سب انسپکٹر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ہم لاہور کے ایک رہائشی کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔''

میں نے ایک کانسٹیبل کو بلا کر مہمانوں کے لیے چائے پانی اور بسکٹ وغیرہ لانے کو کہا پھر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

''آپ کو کس کی تلاش ہے اور وہ بھی میرے علاقے میں؟ میں تفصیل جاننا چاہوں گا اور جہاں تک میری مدد اور تعاون کی بات ہے تو آپ مجھے پیش پیش پائیں گے۔ بتائیں معاملہ کیا ہے؟''

سب انسپکٹر نے علی محمد نامی شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ شروع کریں۔ اگر کوئی بات رہ گئی تو وہ میں ملک صاحب کو بتا دوں گا۔''

''تھانیدار صاحب!'' علی محمد براہ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ''میرے ایک دوست میاں نذیر نے قلعہ دیدار سنگھ کے چودھری حق نواز سے پچاس ایکڑ زرعی زمین خریدی تھی۔ میاں نذیر اس زمین پر پھلوں کے باغات لگانا چاہتا تھا اور اسی سلسلے میں وہ کئی بار لاہور سے قلعہ دیدار سنگھ آ بھی چکا تھا۔''

''ایک منٹ!'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''علی محمد! آپ اپنے دوست میاں نذیر کا ذکر کرتے ہوئے ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کر رہے ہو؟''

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''میاں صاحب آخری بار جب قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ آئے تو پھر واپس نہیں گئے۔''

''اوہ...... یہ کب کی بات ہے؟'' میں نے تشویش بھرے لہجے میں استفسار کیا۔

''میاں نذیر آخری مرتبہ آٹھ فروری کو یہاں آئے تھے۔'' علی محمد وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ جب بھی قلعہ دیدار سنگھ آئے تو شام میں واپس لاہور ضرور چلے گئے تھے۔ آٹھ فروری کی رات تک جب وہ اپنے گھر نہیں پہنچے تو ان کی بیوی نرگس پریشان ہو گئی۔ اگلی صبح وہ میرے پاس آئی اور میاں صاحب کی عدم موجودگی کے بارے میں بتایا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اس لیے میں بھی فکرمند ہو گیا۔ میں نے نرگس سے کہا کہ وہ آج کا دن یعنی نو فروری کی شام تک اپنے شوہر کا انتظار کرے۔ اگر میاں نذیر واپس نہیں آئے تو میں خود دس فروری کو قلعہ دیدار سنگھ جا کر میاں صاحب کی خیر خبر لوں گا۔ میں دس فروری کی صبح لاہور سے ایک بس میں بیٹھ کر گوجرانوالہ آنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ گوجرانوالہ کے بس اسٹینڈ سے میں نے ایک تانگا پکڑا اور چودھری حق نواز سے ملنے سیدھا قلعہ دیدار سنگھ پہنچ گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا...... آپ کو یقین نہیں آئے گا تھانیدار صاحب......!'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر عجیب سی نظر سے مجھے تکنے لگا۔

اسی وقت کانسٹیبل مہمانوں کی خاطر تواضع کے سامان کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ جب کانسٹیبل اشیائے خورونوش کو میز پر سجانے کے بعد واپس چلا گیا تو میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''گفتگو کا سلسلہ جاری رہے گا مگر پہلے طعام، بعد کلام اور کام......!''

جب ان تینوں کے ہاتھ اور منہ حرکت میں آ چکے تو میں نے علی محمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کی بات کا یقین کر لوں گا۔ آپ بتائیں، کیا ہوا تھا؟''

''دس فروری کو جب میری ملاقات چودھری حق نواز سے ہوئی تو اس نے یہ کہہ کر مجھے حیران کر دیا کہ وہ کسی میاں نذیر کو نہیں جانتا اور اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی پچاس فٹ زمین فروخت نہیں کی، پچاس ایکڑ زرعی اراضی کو بیچ ڈالنا تو ایسا ہی ہے کہ انسان زمین پر کھڑے ہو کر آسمان کا سودا کرنے کا تصور کرے۔''

''ہاں، یہ تو چودھری نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلائی اور علی محمد سے پوچھا۔ ''پھر آپ نے کیا کیا؟''

''میرے پاس واپسی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ سو میں نے لاہور جانے والی بس پکڑی اور گھر آ گیا۔'' اس نے بتایا۔ ''میں نے یہ تو سن رکھا ہے کہ کوئی زمیندار اپنی جان تو دے سکتا ہے مگر زمین بیچنے کے بارے میں سوچنے کو بھی وہ گناہ سمجھتا ہے اور دوسری جانب میاں صاحب تھے جنہوں نے کبھی مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔''

''کیا آپ نے اپنے گمشدہ دوست میاں نذیر کے

پاس پچاس ایکڑ اراضی کی ملکیت کے کاغذات وغیرہ دیکھے تھے؟" میں نے ایک اہم سوال کیا۔

"جی، بالکل دیکھے تھے۔" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "جب انہوں نے مجھے باغات کے لیے پچاس ایکڑ زمین کی خریداری کے بارے میں بتایا تو میں ان کے گھر گیا تھا۔ اس روز میاں صاحب اور بھابی نرگس سے میری خاصی طویل ملاقات ہوئی تھی۔ اسی دوران میں میاں صاحب نے مجھے زمین کی خریداری کے پکے کاغذات بھی دکھائے تھے۔ میں رات کا کھانا ان کے ساتھ کھانے کے بعد ہی واپس آیا تھا۔"

"یہ تو ہو گیا دس فروری کا احوال۔" میں نے علی محمد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور آج ہے فروری کی بارہ تاریخ۔ میں جاننا چاہوں گا کہ کل یعنی گیارہ فروری کو آپ کیا کرتے رہے ہیں؟"

"میاں صاحب کے زیادہ رشتے دار نہیں ہیں۔" اس نے بتایا۔ "پہلی بیوی مرحومہ صفیہ بی بی سے ان کا صرف ایک ہی بیٹا ہے جس کا نام شفیق ہے۔ شفیق عرصۂ دراز سے فرانس کے شہر مارسے میں سیٹل ہے۔ وہ مارسے میں ایک ریسٹورنٹ چلاتا ہے اور اس نے ایک فرانسیسی لڑکی سے شادی کر رکھی ہے۔ میاں صاحب کی دوسری بیوی بھابی نرگس ہیں۔ نرگس سے انہوں نے دو سال پہلے شادی کی ہے۔ ابھی ان کی اولاد نہیں ہے۔ یہ تو ہو گئی میاں صاحب کی مختصر سی فیملی......" وہ سانس ہموار کرنے کی غرض سے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"دوست احباب اور دیگر میل ملاپ والے لوگوں کا حلقہ بھی محدود ہے۔ میں نے کل شام تک ہر جاننے والے سے پوچھ تاچھ کر لی لیکن کہیں سے بھی میاں صاحب کی اچھی یا بری خبر نہ ملی چنانچہ میں نرگس بھابی کو ساتھ لے کر تھانے پہنچا اور میاں صاحب کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دی۔"

"ہم اسی سلسلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔" سب انسپکٹر بشارت نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "رپورٹ درج ہو جانے کے بعد کارروائی ضروری تھی۔ ہمارے انچارج صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کر سکوں۔ اس پورے معاملے کے ساتھ قلعہ دیدار سنگھ کے چودھری حق نواز کا نام جڑا ہوا ہے اور قلعہ دیدار سنگھ آپ کے تھانے کی حدود میں آتا ہے لہٰذا یہ سارا تفتیشی پروگرام آپ کی نگرانی ہی میں ہونا ہے۔ میں اور کانسٹیبل حنیف آپ کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔ وہ بھی اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو...... بصورتِ دیگر ہم دونوں بھی علی محمد کے ساتھ ہی واپس لاہور چلے جائیں گے۔ تمام معلومات آپ کو فراہم کر دی گئی ہیں۔ جب آپ میاں نذیر کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں تو ہمیں بتا دیجیے گا۔"

"نمبر ایک...... مجھے آپ دونوں کے یہاں رکنے بلکہ آپ کے ساتھ علی محمد کے بھی قیام پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "آپ لوگوں کے لیے منجی بسترے اور کھانے پینے کا مناسب بندوبست کر دیا جائے گا۔ آپ جب تک چاہیں، مہمان بن کر یہاں رہ سکتے ہیں۔ نمبر دو......" میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کی فراہم کردہ معلومات ادھوری ہیں۔ میں ان سے مطمئن نہیں ہوں۔ مجھے آپ سے بہت کچھ پوچھنا ہے اور چند دستاویزی ثبوت بھی چاہیے ہوں گے۔ چودھری حق نواز پر پکا ہاتھ ڈالنے کے لیے یہ سب ضروری ہے۔"

"آپ ہم سے جو بھی سوال کریں گے، ہم اس کا سولہ آنے درست جواب دیں گے۔" سب انسپکٹر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن دستاویزی ثبوت والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی ملک صاحب!"

"میں سمجھاتا ہوں۔" میں نے رسان بھرے انداز میں کہا۔ "علی محمد نے بتایا ہے کہ اس نے میاں نذیر کے پاس پچاس ایکڑ زرعی زمین کی ملکیت کے کاغذات دیکھے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہے کہ چودھری حق نواز نے اپنی پچاس ایکڑ زرعی اراضی میاں نذیر کے ہاتھ فروخت کی ہے۔ اس قانونی دستاویز میں مذکورہ زمین کی قیمت بھی درج ہو گی۔ مجھے وہ کاغذات چاہیے ہوں گے۔"

"زمین کے کاغذات میاں صاحب کے گھر ہی میں ہوں گے۔" علی محمد نے کہا۔ "میں بھابی نرگس سے وہ کاغذات لا کر آپ کو دکھا سکتا ہوں۔ میں نے خود پڑھا تھا، ان کاغذات میں اس زمین کی فی ایکڑ قیمت ایک ہزار روپے لکھی ہوئی تھی۔"

"یعنی پچاس ایکڑ اراضی کو خریدنے کے لیے آپ کے میاں صاحب نے چودھری حق نواز کو پچاس ہزار روپے ادا کیے تھے؟" میں نے بے یقینی سے علی محمد کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "میاں نذیر کرتا کیا ہے؟ میرا مطلب ہے اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟"

آج کل پچاس ہزار روپے میں ڈھنگ کی ایک موٹر

سائیکل نہیں آتی اور میں اس رقم کی ادائیگی پر حیرت کا اظہار کر رہا ہوں......تو اس پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ آج سے برسوں پہلے بہت ہی اچھے وقت کا واقعہ ہے۔ وہ سستائی کا زمانہ تھا۔ ایک عام مزدور کی تنخواہ تیس سے چالیس روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی جس میں سے وہ بچت بھی کیا کرتا تھا اور اس کا سیدھا سا سبب یہ تھا کہ تب زندگی بہت آسان اور خوشگوار ہوتی تھی۔ ایک تولہ (بارہ گرام) سونا پچاس روپے میں مل جاتا تھا۔ بکرے کا گوشت دو روپے سیر، گندم تین روپے کی من (چالیس سیر) اور چاول پانچ روپے من فروخت ہوتے تھے۔ ایک متوسط چھ افراد کے کنبے کے لیے مہینے بھر کا راشن بیس روپے میں آجاتا تھا۔ اس لحاظ سے زرعی اراضی کی فی ایکڑ ایک ہزار روپے ......بہت زیادہ قیمت تھی اسی لیے میں چونک اٹھا تھا۔

"میاں صاحب کی ادھر لاہور میں برانڈرتھ روڈ پر "میاں مکینیکل ورکس" کے نام سے اپنی دکان ہے۔" علی محمد نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ "جہاں ٹیوب ویل، موٹروں، خراد مشین سے متعلق ہر قسم کا سامان فروخت ہوتا ہے۔ میں نے میاں صاحب سے کہا بھی تھا کہ باغات کے لیے تو پانچ ایکڑ زمین بھی کافی تھی اور وہ زمین آپ کو لاہور کے گردونواح میں بھی مل سکتی تھی۔ اتنی دور جا کر ایک بھاری سرمایہ کاری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرے سوال کے جواب میں وہ مسکرا کر بولے تھے...... یہ بات آپ نہیں سمجھ سکتے۔"

"آپ کا یہ اندازہ تو بالکل درست ہے کہ پانچ سے دس ایکڑ میں بہترین باغات لگائے جاسکتے ہیں۔ پچیس اور پچاس ایکڑ کے منصوبے تو کمرشل ادارے بناتے ہیں جن کی فیکٹریوں میں تیار ہونے والی پروڈکٹس پورے ملک میں سپلائی ہونے کے علاوہ بیرون ملک بھی ایکسپورٹ کی جاتی ہیں لیکن میں اس اماؤنٹ پر حیرت زدہ ہوں جو میاں صاحب نے چودھری صاحب کو ادا کیا۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں اس وقت عمدہ قسم کی زرعی زمین ایک ایکڑ دو سو روپے تک میں مل جاتی ہے۔ اس موٹے حساب کے مطابق پچاس ایکڑ زمین دس ہزار روپے سے زیادہ کی نہیں ہونا چاہیے۔ تم لوگ جو بتا رہے ہو، اگر وہ سچ ہے تو پھر میں یہی کہوں گا کہ چودھری حق نواز نے میاں نذیر کو لوٹ لیا تھا۔"

"ملک صاحب! اس وقت سب سے اہم مسئلہ میاں نذیر کی گمشدگی کا ہے۔" سب انسپکٹر نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ہمیں زمین کی مہنگی سستی خرید وفروخت کی بحث میں وقت برباد کرنے کے بجائے میاں صاحب کو تلاش کرنے کے سلسلے میں کوئی مؤثر لائحہ عمل ترتیب دینا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے، میں وہی کر رہا ہوں۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "میاں نذیر کو بازیاب کرنے کی کوشش میں ہم چودھری حق نواز آف قلعہ دیدار سنگھ کو اور اس کی پچاس ایکڑ زرعی اراضی کو قطعاً نظر انداز نہیں کرسکتے کیونکہ اسی زمین کو خریدنے کے لیے میاں نذیر لاہور سے گوجرانوالہ کے درمیان چکر لگاتا رہا ہے اور آٹھ فروری والے یعنی آخری چکر کے بعد وہ بندہ واپس اپنے گھر نہیں پہنچا۔ اگر میاں نذیر تک پہنچنا ہے تو ہمیں اپنی تفتیش کا آغاز چودھری حق نواز ہی سے کرنا ہوگا۔"

"لیکن چودھری حق نواز تو میاں نذیر سے اپنی کلی اجنبیت کا اظہار کرچکا ہے؟" سب انسپکٹر بشارت نے ایک اہم پوائنٹ کی جانب اشارہ کیا۔

"بے شک!" میں نے ایس آئی کے چہرے پر نگاہ جما کر کہا۔ "لیکن وہ مکمل ناشناسائی علی محمد کے استفسارات کے جواب میں تھی لیکن آپ جانتے ہو، ہم پولیس والوں کی تفتیش کا انداز وکھری ٹائپ کا ہوتا ہے۔ چودھری حق نواز کوئی عام دیہاتی نہیں ہے کہ جب چاہیں اسے اٹھا کر حوالات میں بند کردیں۔ میں نے عرض کیا ہے نا، میں چودھری پر مضبوط ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ اگر وہ میاں نذیر کے غیاب میں ملوث ہے تو میری گرفت سے نکل نہ پائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے......" میں نے لمحاتی توقف کرکے علی محمد کی جانب دیکھا اور ٹھوس انداز میں اضافہ کردیا۔

"مجھے پچاس ایکڑ زرعی اراضی کی فروخت والی وہ دستاویز چاہیے جو لا محالہ میاں نذیر کے گھر میں کہیں رکھی ہونا چاہیے۔"

"آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی ہے ملک صاحب!" سب انسپکٹر میرے دلائل سے قائل ہوتے ہوئے بولا۔ "میرے خیال میں ہم تینوں کو فی الحال لاہور واپس چلے جانا چاہیے۔ آپ کے پاس گمشدگی کے اس کیس کی کچی رپورٹ تو درج ہو ہی چکی ہے۔ آپ میاں نذیر کی تلاش کا کام شروع کریں۔ میں تین چار روز بعد دوبارہ یہاں آکر تازہ ترین حالات معلوم کرلوں گا۔" پھر علی محمد کی جانب دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "آپ وہ قانونی دستاویز کب تک ملک صاحب کے حوالے کرسکتے ہیں؟"

"دیکھیں جی...... وہ کاغذات میرے پاس نہیں رکھے ہوئے کہ میں کل ہی تھانیدار صاحب تک پہنچادوں۔"

علی محمد معقولیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ ''میں آج جا کر نرگس بھابی سے بات کرتا ہوں۔ وہ جب مذکورہ کاغذات میرے سپرد کر دیں گی تو میں انہیں حفاظت سے لے کر یہاں آجاؤں گا۔''

''اگر نرگس اپنے خاوند کی بازیابی میں دلچسپی رکھتی ہے تو اسے پہلی فرصت میں یہ کام کرنا ہوگا۔'' سب انسپکٹر نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔ ''ورنہ پولیس سے عدم تعاون کی بنا پر ہم ایف آئی آر خارج کر کے میاں نذیر کی تلاش سے ہاتھ اٹھالیں گے۔''

''آپ کی کیا مصروفیات ہیں علی محمد؟'' میں نے گمشدہ میاں نذیر کے دوست سے استفسار کیا۔

''جناب! لاہور کے اردو بازار میں ہمارا کتابوں اور کاغذ کا کاروبار ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ہم لوگ دادا جان کے زمانے سے یہ کام کر رہے ہیں۔ کبیر اسٹریٹ میں ہماری ایک بڑی دکان ہے جس میں اسکول کالج کے نصاب کے علاوہ دینی کتابیں بھی ہوتی ہیں۔ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ہی دکان پر بیٹھتا ہوں۔ ہم پرنٹنگ پیپرز کے ہول سیلر ہیں۔ ہماری دکان میں دو ملازم بھی کام کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہوگیا۔'' میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے اگر آپ ایک آدھ دن کے لیے دکان کی طرف نہ بھی جائیں تو اس سے آپ لوگوں کا کاروبار متاثر نہیں ہوگا۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں نا؟''

''نہیں جناب! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔''

''میں آپ کو دو دن دیتا ہوں۔'' میں نے علی محمد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ میاں نذیر کی بیوی کو سمجھا بجھا کر وہ کاغذات نکلوائیں اور انہیں مجھ تک پہنچا دیں۔ اگر نرگس اس بات کے لیے راضی نہ ہو تو اس صورت میں متعلقہ تھانہ چاہے درج شدہ رپورٹ کو خارج کر دے مگر میں کارروائی کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔ کوئی رپورٹ بھی ہو یا محض زبانی، میں اسے نظرانداز نہیں کر سکتا اور...... میاں نذیر کی گمشدگی کی رپورٹ میرے ذہن میں درج ہو چکی ہے۔''

سب انسپکٹر بشارت نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

''اس کا کیا مطلب ہوا ملک صاحب؟''

''مطلب بالکل صاف ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنے طور پر میاں نذیر کی تلاش کا کام جاری رکھوں گا۔ اس مقصد کے لیے اگر مجھے لاہور بھی جانا پڑا تو میں ضرور جاؤں گا۔''

وہ تینوں حیرت بھری نظروں سے مجھے تکنے لگے۔ ان کی آنکھوں سے جھلکتے تاثرات سے یہی لگتا تھا کہ ان کے سامنے انسان کے بجائے کسی اور سیارے کی مخلوق بیٹھی ہو۔ بالآخر سب انسپکٹر سرسراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہمارے انچارج صاحب نے آپ کے بارے میں بالکل ٹھیک کہا تھا۔ آپ اپنی نوعیت کے بڑے منفرد تھانیدار ہیں۔''

''انفرادیت کا مطلب ہے، معمول سے ہٹ کر اور عام لوگوں سے مختلف۔'' میں نے کہا۔ ''اور اس ٹائٹل کے حصول کے لیے لگے بندھے طور طریقوں سے بغاوت کرنا پڑتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہو کہ محکمہ آپ کی کارکردگی پر ''اوسط'' کا ٹھپا نہ لگائے تو پھر پرائے پھڈے میں ٹانگ پھنسا کر تکلیف کا لطف اٹھانا پڑتا ہے۔ جب تک آپ دوسرے لوگوں سے کچھ الگ نہیں کرو گے تو کون آپ پر دھیان دے گا۔''

سب انسپکٹر احترام اور عقیدت بھری نگاہ سے مجھ پر دھیان دینے لگا۔

☆☆☆

تیرہ فروری کی دوپہر علی محمد ایک بار پھر میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خالی ہاتھ نہیں آیا تھا۔ نرگس نے پولیس سے تعاون کا مظاہرہ کرتے ہوئے پچاس ایکڑ اراضی کی خریداری کے سلسلے میں تیار کی جانے والی قانونی دستاویز اس کے حوالے کر دی تھی۔ وہ ان کاغذات کو میری جانب بڑھاتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولا۔

''میں نے کام کر دیا تھانیدار صاحب!''

''شاباش!'' میں نے ستائشی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''واقعی آپ میاں نذیر کے سچے اور پُرخلوص دوست ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں جلد از جلد میاں صاحب کو ڈھونڈ نکالوں۔''

''بالکل یہی بات ہے ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''دراصل بھابی نرگس میاں صاحب کی گمشدگی سے بہت پریشان ہیں اسی لیے انہوں نے فوراً یہ دستاویز نکال کر مجھے دے دی۔ وہ تو میرے ساتھ آنے کی ضد کر رہی تھیں لیکن میں راضی نہیں ہوا۔ میں نے بھابی سے کہا کہ پہلے میں آپ سے پوچھ لوں۔ اگر آپ نے اجازت دی تو پھر میں انہیں بھی یہاں لے آؤں گا۔''

''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں نرگس سے ملاقات کروں گا۔'' میں نے اس کے ہاتھ سے وہ کاغذات لیتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔ ''اس طرح نئی باتیں سامنے آئیں گی جو میاں نذیر کی تلاش میں مددگار ثابت ہوں گی۔''

"چند باتیں تو بھابی نے مجھے بتائی بھی ہیں۔" وہ معتدل انداز میں بولا۔ اس دوران میں، میں نے دستاویز کا مطالعہ اور مشاہدہ شروع کر دیا تھا لہٰذا اس نے جلدی سے اضافہ کر دیا۔ "آپ پہلے ان کاغذات کا جائزہ لے لیں پھر میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

میں نے بغور ان کاغذات کا معائنہ کیا اور مجھے ایک دو مقام پر کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ بعض دستخط جعلی تھے اور ایک آدھ مہر میں بھی نقلی پن صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے علی محمد کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"یہ پچاس ایکڑ زمین کے اصلی کاغذات نہیں ہیں۔ لگتا ہے آپ کے دوست کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق کسی نے گھر میں بیٹھ کر یہ نقلی دستاویز تیار کی ہے۔ مزید تسلی کے لیے میں پٹواری اور قانون گو کو بھی یہ کاغذات دکھاؤں گا اور رجسٹری آفس میں جا کر بھی چیک کروں گا کہ اس قطعۂ اراضی کے انتقال کا کوئی قانونی ریکارڈ موجود ہے یا نہیں۔ اگر چودھری نے زمین بیچی ہے تو ٹرانسفر کا ریکارڈ لازمی مل جائے گا۔"

"ملک صاحب! یہ دفتری جانچ پڑتال تو ہوتی رہے گی۔" علی محمد نے کہا۔ "لیکن چودھری حق نواز تو قلعہ دیدار سنگھ میں موجود ہے۔ اگر واقعی یہ کاغذات بوگس ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میاں نذیر کے ساتھ چودھری نے فراڈ کیا ہے۔ آپ فوری طور پر چودھری حق نواز سے تو پوچھ تاچھ کر سکتے ہیں نا۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی پھر یاددہانی کرانے والے انداز میں بولا۔

"آپ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں پچاس ایکڑ اراضی کی ملکیت کے کاغذات لے آؤں تو آپ چودھری حق نواز پر پکا ہاتھ ڈالیں گے۔"

"میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "ہم ابھی قلعہ دیدار سنگھ کی طرف جانے والے ہیں۔ چودھری سے جو بھی بات ہوگی، وہ آپ کے سامنے ہی ہوگی لیکن یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ......" میں نے ڈرامائی انداز میں رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے اضافہ کر دیا۔

"ان کاغذات کے نقلی ثابت ہو جانے سے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ میاں نذیر کے ساتھ ایک سنگین دھوکا کر کے کسی شخص نے پچاس ہزار روپے ہتھیا لیے ہیں مگر وہ "کسی" چودھری حق نواز ہی ہے، اس راز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اچھی خاصی بھاگ دوڑ کرنا پڑے گی اور وہ میں ضرور کروں گا۔ آپ کو اس حوالے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟"

"سمجھ گیا جناب!" وہ جلدی سے بولا۔

"تو پھر بتائیں، نرگس نے آپ سے کون سی اہم باتیں کی ہیں؟"

"دو باتیں ہیں ملک صاحب!" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "میاں صاحب کی دکان پر ایک دیرینہ وفادار ملازم کام کرتا ہے۔ اس ملازم کا نام سدھیر ہے۔ میاں صاحب سدھیر پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ سدھیر کی زبانی نرگس بھابی کو پتا چلا ہے کہ چودھری حق نواز کا ایک ملازم خاص ارشاد، میاں صاحب کی دکان سے ٹیوب ویل اور موٹروں وغیرہ کا سامان لینے آتا تھا۔ میاں صاحب کی ارشاد سے دوستی ہو گئی تھی اور وہ پہلی بار ارشاد کے ساتھ ہی قلعہ دیدار سنگھ آئے تھے۔ جلد ہی میاں صاحب اور چودھری حق نواز میں گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔ اس کے بعد میاں صاحب مہینے میں ایک دو بار قلعہ دیدار سنگھ کا چکر لگانے لگے تھے۔ چودھری نے میاں صاحب کے اندر کاشت کاری کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ اسی شوق کا نتیجہ تھا کہ وہ پچاس ایکڑ زمین چودھری سے خرید کر اس پر باغات لگانے والے تھے مگر پھر وہ اچانک غائب ہو گئے۔"

"اور دوسری بات؟" میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

"میاں صاحب پروفیسر علوی پر بہت بھروسا کرتے تھے۔" علی محمد نے بتایا۔ "وہ کوئی بھی نیا کام شروع کرنے سے پہلے پروفیسر صاحب سے ضرور مشورہ کرتے تھے۔ نرگس بھابی کا کہنا ہے کہ پروفیسر صاحب نے پھلوں کے باغات لگانے کے حوالے سے میاں صاحب کی نہ صرف تائید کی تھی بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ اس کاروبار میں انہیں بہت فائدہ ہوگا۔"

"پروفیسر علوی کیا بیچتے ہیں؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

علی محمد سوالیہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میری بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب ہے، پروفیسر صاحب کون سی یونیورسٹی میں کیا پڑھاتے ہیں؟ وہ کس مضمون میں مہارت رکھتے ہیں؟"

"وہ کالج یونیورسٹی میں پڑھانے والے پروفیسر نہیں ہیں ملک صاحب!" وہ جلدی سے بولا۔ "وہ ایک عامل کامل

بابا ہیں۔ ادھر بھاٹی گیٹ میں ان کا آستانہ ہے۔"

"سمجھ گیا......" میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ "وہ فراڈستان یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ایک گڑبڑگھوٹالا پروفیسر ہیں جو سادہ لوح افراد کو الّو بنا کر اپنا الّو سیدھا کرتے ہیں۔"

میرے اس ترش تبصرے پر علی محمد نے کوئی خیال آرائی نہیں کی۔

"آپ کے بتائے ہوئے یہ دونوں کردار لاہور میں رہتے ہیں۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "دو روز بعد مجھے اپنے ایک ذاتی کام سے لاہور کا چکر لگانا ہے۔ تب آپ کے علاوہ میاں نذیر کی بیوی نرگس، اس کے ملازم [illegible] ہمدرد و سرپرست پروفیسر علوی سے بھی ملاقات ہوجائے گی۔ اس دوران میں، میں زمین کے کاغذات کی حقیقت کا پتا چلاتا ہوں۔"

"اور چودھری حق نواز......؟" اس نے بات نامکمل چھوڑ کر الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھا۔

"ایک گھنٹے کے بعد ہم چودھری کی حویلی میں ہوں گے۔" میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

علی محمد کے چہرے پر اطمینان جھلکنے لگا۔

آئندہ دس منٹ میں، میں نے ایک تانگا منگوایا اور علی محمد کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر قلعہ دیدار سنگھ کی جانب روانہ ہوگیا۔ کانسٹیبل غفور احمد بھی ہمارے ہمراہ تھا۔ میرا تھانہ جی ٹی روڈ (جرنل ٹرنک روڈ) پر لاری اڈے کے ساتھ واقع تھا۔ یہ علاقہ شیخوپورہ روڈ بھی کہلاتا تھا۔ راولپنڈی سے لائل پور (فیصل آباد) جانے والی بسیں اسی موڑ پر جی ٹی روڈ کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتی تھیں۔ شیخوپورہ، لائل پور سے پہلے آجاتا تھا اسی لیے یہ موڑ "شیخوپورہ موڑ" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔ قلعہ شیخوپورہ کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ جرم و سزا کی سنسنی خیز کہانیوں سے بھری ہوئی۔ اس زمانے کے سروے کے مطابق صوبہ پنجاب میں جرائم کے لیے سب سے زیادہ مشہور دو ہی علاقے تھے......اوکاڑہ اور قلعہ شیخوپورہ!

☆☆☆

راستے بھر علی محمد سے میری بات چیت کا عمل جاری رہا تھا جس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ لاہور کے ایک پرانے علاقے کرشن نگر میں رہتا تھا۔ گمشدہ میاں نذیر کی رہائش شادباغ کالونی میں تھی۔ ان دونوں کی دوستی کی عمر پندرہ سال تھی۔ اسی نوعیت کی ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران میں ہمارا تانگا شاہین آباد، راہوالی، گکھڑ منڈی وغیرہ سے گزر کر قلعہ دیدار سنگھ پہنچ گیا۔

چودھری حق نواز نے ہمارا پُرتپاک استقبال کیا اور ہمیں پرانی طرزِ تعمیر کی سجی سجائی عالیشان بیٹھک میں بٹھایا۔ چودھری کی عمر پچاس کے قریب تھی۔ یہ ہماری پہلی ملاقات تھی تاہم مجھے اس کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل تھیں جن میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ بڑے چودھری رب نواز کے انتقال کے بعد دونوں بھائیوں میں زمین و جائداد کا بٹوارا ہوگیا تھا۔ اگرچہ چودھری حق نواز اس علیحدگی کے حق میں نہیں تھا لیکن چھوٹے بھائی چودھری علی نواز نے ایسا رولا ڈالا تھا کہ بڑا بھائی یعنی حق نواز مجبور ہوگیا تھا۔ بٹوارے کے بعد علی نواز نے اپنی رہائش کے لیے نئی حویلی تعمیر کروالی تھی اور آبائی پرانی حویلی حق نواز کے حصے میں آئی جس کی بیٹھک میں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے تھے۔

رسمی علیک سلیک کے بعد چودھری حق نواز نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ملک صاحب! یہ جو لاہوری بندہ آپ کے ساتھ آیا ہے، میں سب سے پہلے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ باقی باتیں بعد میں......!"

چودھری کی بات سن کر علی محمد نے چونک کر پہلے چودھری کو اور پھر مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں الجھن کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے علی محمد کی بے یقینی اور الجھن کو نظرانداز کرتے ہوئے چودھری سے کہا۔

"آپ اپنی خواہش پوری کرسکتے ہیں چودھری صاحب! لیکن آپ کو اس "شکریہ" کی وجہ بھی بتانا پڑے گی کیونکہ علی محمد کو توقع نہیں تھی کہ آپ اس قسم کی کوئی بات کریں گے۔ ان کے تاثرات نے مجھے بھی گہری سوچ میں ڈال دیا ہے۔"

"ضرور...... کیوں نہیں۔" چودھری نے معتدل انداز میں کہا پھر علی محمد کی طرف دیکھتے ہوئے تشکرانہ لہجے میں بولا۔ "بھائی! میں تہِ دل سے آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے ملک صاحب کے تھانے میں میرے خلاف کوئی رپورٹ درج کرائی ہے جس کی تفتیش کے لیے انہیں آپ کے ساتھ یہاں آنا پڑا اور اسی بہانے ملک صاحب سے میری ملاقات ہوگئی۔ اس سے پہلے میں نے صرف ان کا نام ہی سنا تھا۔ آپ کی شکایت کی برکت سے آج ان کا دیدار بھی ہوگیا۔" پھر وہ روئے سخن میری جانب موڑتے ہوئے مستفسر ہوا۔

"ملک صاحب! اتنی وضاحت کافی ہے نا؟"

"وضاحت تو کافی سے کہیں زیادہ ہے چودھری صاحب!" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے

بھی آپ سے مل کر بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے لیکن ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔'' لحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر علی محمد کی سمت اشارہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

''علی محمد کے دوست میاں نذیر کی گمشدگی کی رپورٹ لاہور کے متعلقہ تھانے میں درج کرائی گئی ہے۔ ایک روز پہلے علی محمد آپ سے مل کر گیا تھا اور آپ نے کسی میاں نذیر کو پہچاننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد ہی اگلے روز لاہور کے تھانے میں رپورٹ درج ہوئی۔ کل اس تھانے سے دو پولیس والے علی محمد کو ساتھ لے کر میرے پاس آئے [illegible] نے ان لوگوں کی کہانی کو پوری توجہ سے سنا اور کہا کہ پچاس ایکڑ اراضی کی خرید کے حوالے سے جو قانونی دستاویز تیار کی گئی ہے، وہ مجھے لا کر دکھاؤ۔ اس کے بعد ہی میں کارروائی کروں گا۔ آج علی محمد وہ کاغذات لے آیا ہے۔ اسی لیے ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں چودھری صاحب!''

میرے آخری جملے نے چودھری کو چونکا دیا۔ ''یہ تو آپ نے بہت نیک کام کیا ہے ملک صاحب!'' وہ ستائشی نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولا۔ ''ان کاغذات کی موجودگی میں مجھے اپنی صفائی پیش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ پہلے میں آپ کے لیے کھانے کا بندوبست کراتا ہوں۔ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔''

''اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے چودھری صاحب!'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''آج میں نے ڈبل ناشتا کیا ہوا ہے۔''

''اور میں بھی فل ہوں۔'' میری دیکھا دیکھی علی محمد نے کہا۔

''ملک صاحب! کیا ہوا جو آج سے پہلے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے آپ کی مکمل جانکاری رکھی ہوئی ہے۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ ''آپ صبح جلدی اٹھنے کے عادی ہیں۔ فجر کی نماز کے فوراً بعد آپ ناشتا کرتے ہیں اور پھر تیار ہو کر تھانے میں جا بیٹھتے ہیں۔ آپ نے ڈبل کیا، اگر ٹرپل ناشتا بھی کیا ہو تو اب تک اس کی باقیات بھی پیٹ میں موجود نہیں ہوں گی۔ یہ عین کھانے کا وقت ہے۔ تکلف میں نہیں بلکہ آپ کر رہے ہیں اور آپ......'' وہ علی محمد کی جانب دیکھتے ہوئے معتدل لہجے میں بولا۔ ''آپ لاہور سے آئے ہیں۔ جس بس نے آپ کو گوجرانوالہ پہنچایا ہے، اس بے چاری کا اپنا فیول ٹینک فل نہیں رہا ہوگا پھر آپ کیسے فل ہو سکتے ہیں؟''

چودھری حق نواز کے دلائل کے سامنے ہمیں خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ وہ بیٹھک سے اٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا اور ہمارے لیے ایک شاندار لنچ کا ''آرڈر'' کرنے کے بعد واپس آ گیا۔ ہمارے درمیان سنجیدہ گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے چودھری نے ان کاغذات کا جائزہ لیا جو علی محمد لاہور سے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ چند لحات کی خاموشی کے بعد اس نے میرے خیالات کی تائید میں دو ٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ملک صاحب! یہ کاغذات ایک دم نقلی ہیں۔ ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ آئے تو آپ ڈسٹرکٹ رجسٹریشن آفس جا کر ریکارڈ چیک کر لیں۔ آپ کو اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملے گا کہ میں نے کسی میاں نذیر کے ہاتھ اپنی پچاس ایکڑ زرعی اراضی فروخت کی ہے یا کسی میاں نذیر نے مجھ سے مذکورہ اراضی خریدی ہے۔''

''صرف رجسٹری آفس ہی نہیں، میں پٹواری اور قانون گو سے بھی اس معاملے کی چھان بین کراؤں گا۔'' میں نے رسانیت بھرے لہجے میں کہا۔ ''لیکن فی الحال میں یہ جاننے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہوں کہ آپ نے کس بنیاد پر ان کاغذات کو جعلی قرار دیا ہے؟''

''ایک سے زیادہ وجوہات ہیں۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔

''آپ نمبر وار بتاتے جائیں چودھری صاحب!'' میں نے کہا۔ ''میں اسی غرض سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ مجھے ہمہ تن گوش سمجھیں۔''

میرے ان الفاظ پر علی محمد بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''بات ثبوت کے ساتھ ہو تو مزہ بھی آتا ہے۔'' چودھری اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ ''میں دس منٹ میں حاضر ہوتا ہوں ملک صاحب! پھر ہم اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔''

چودھری کے بیٹھک سے نکلنے کے بعد علی محمد نے مجھ سے پوچھا۔ ''چودھری کہاں چلا گیا؟''

''آپ نے شاید اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''میرے خیال میں وہ کوئی ایسی شے لینے گیا ہے جو اسے سچا ثابت کر سکتی ہو۔''

''ایسی کیا شے ہو سکتی ہے؟''

"یہ تو اس کی واپسی پر ہی پتا چلے گا۔"

اس کے بعد علی محمد نے مجھ سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ چند منٹ کے بعد چودھری حق نواز ایک فائل تھامے لوٹ آیا۔ وہ دوبارہ اسی صوفے پر بیٹھا جہاں سے وہ اٹھ کر گیا تھا پھر مذکورہ فائل میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"ملک صاحب! اس فائل کے اندر درجن بھر ایسے اہم قانونی کاغذات لگے ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک پر میرے دستخط موجود ہیں۔ آپ ان دستخط کو اس دستاویز پر موجود میرے دستخط کے ساتھ ملا کر دیکھیں۔ فرق آپ کو صاف نظر آجائے گا اور وہ فرق آپ اس لاہوری بندے کو بھی دکھائیں۔"

میں نے چودھری کی فرمائش پوری کرنے میں... بہ مشکل دو منٹ صرف کیے پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں چودھری صاحب! پچاس ایکڑ اراضی والی دستاویز پر موجود آپ کے دستخط ان فائل والے کاغذات سے کافی مختلف ہیں۔"

"اب میں آپ کے سوال کی طرف آتا ہوں جناب!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "نمبر ایک... جو کاغذات آپ اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں، ان پر نظر آنے والے میرے دستخط جعلسازی کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ کسی بدنیت شخص نے میرے دستخط کی نقل کرنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر اسے اس مذموم مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ہاں، البتہ وہ میاں نذیر نامی کسی شخص کو بے وقوف بنانے میں ضرور کامیاب رہا ہے۔ نمبر دو...... اس دستاویز میں زرعی اراضی کی فی ایکڑ جو قیمت درج ہے، وہ ہوشربا اور ناقابلِ یقین ہے۔ زمین کی قیمت کو اس اونچائی تک پہنچنے میں ابھی بیس سے پچیس سال لگ سکتے ہیں۔ نمبر تین...... سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر پھلوں کے باغات سے ہونے والی آمدنی دوسری فصلوں سے زیادہ ہو تو میرے دماغ میں سب سے پہلے باغات لگانے کا خیال آنا چاہیے۔ نمبر چار...... یہ حقیقت آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصلاً نسلاً زمیندار شخص اپنی زمین کو بڑھانے کے لیے تو چوبیس گھنٹے مسلسل سوچ سکتا ہے مگر زمین کو فروخت کرنے کا خیال بھولے سے بھی اس کے دماغ میں نہیں گھس سکتا اور وہ بھی کسی غیر زمیندار شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کا۔ یہ تو اپنے ہی سینے پر مونگ دلوانے والی بات ہے۔ باہر سے آنے والا زمین کا خریدار اگر کاشت کاری کے بجائے وہاں کوئی اور کاروبار شروع کر بیٹھے تو......؟" اس نے سوالیہ جملے پر اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے جذباتی لہجے میں بولا۔

"ملک صاحب! تین سال پہلے جب اباجی زندہ تھے تو ہمارے پاس کل تین سو ایکڑ اعلیٰ درجے کی زرعی اراضی تھی۔ اباجی کے اس دنیا سے اٹھتے ہی کسی بدخواہ کی ہمیں نظر لگ گئی۔ اباجی کے چہلم کے بعد چھوٹے بھائی علی نواز نے ایک تنازع کھڑا کردیا۔ وہ زمین و جائداد کی تقسیم کا مطالبہ کرنے لگا۔ میں نے حتی الامکان اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میری اولادوں اور بڑی حد تک ان کی ماں کا بھی دعویٰ ہے کہ چودھری علی نواز اپنی بیوی کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ اس کے اندر نادرہ کی کسی بات کو ٹالنے یا اس سے انکار کرنے کی جرأت نہیں ہے اور یہ بٹوارے والا فتنہ نادرہ ہی کا جگایا ہوا ہے۔ میں اس موضوع پر وقت برباد کرنے کے بجائے آپ کو نمبروار پانچویں اور آخری اہم بات بتاتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر متوقف ہوا اور دو تین گہری سانسیں لینے کے بعد اپنا بیان مکمل کرتے ہوئے بولا۔

"ہماری تین سو ایکڑ زرعی اراضی ہم دونوں بھائیوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو ایکڑ تقسیم ہوگئی تو علی نواز اس ضد پر اتر آیا کہ حویلی کے بھی دو حصے ہوں گے۔ میں اس آبائی حویلی کی تقسیم کے حق میں نہیں تھا۔ میں نے واضح الفاظ میں علی نواز سے کہہ دیا کہ یہ حویلی تو میں اپنے پاس ہی رکھوں گا۔ تم اس کے بدلے میں تھوڑی زمین لے لو۔ اس نے میری اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں اپنی ڈیڑھ سو ایکڑ اراضی میں سے پچاس ایکڑ اسے دے دوں تو وہ حویلی والے معاملے سے دستبردار ہوجائے گا۔ میں نے حویلی کو بچانے کے لیے اپنے چھوٹے بھائی کا مطالبہ تسلیم کرلیا۔ یہ حویلی جس میں اس وقت آپ بیٹھے ہوئے ہیں، میں اس کا بلاشرکت غیرے مالک و مختار ہوں۔ اس کے علاوہ زرعی اراضی کے نام پر میرے پاس صرف ایک سو ایکڑ زمین بچی ہے۔ کیا آپ کی نظر میں، میں اتنا احمق ہوں کہ اپنی سو ایکڑ اراضی میں سے پچاس ایکڑ زمین کسی میاں نذیر کے ہاتھ فروخت کردوں گا؟"

"مجھے اندازہ تو تھا مگر آپ سے ملاقات کے بعد یقین ہوگیا ہے چودھری صاحب!" میں نے اس کے تلخی بھرے استفسار کے جواب میں کہا۔ "زمینی حقائق کی روشنی میں آپ

کی ذات ہر نوعیت کے شک سے بالاتر دکھائی دیتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی دو بڑے مسئلے اپنی جگہ پر سر اٹھائے کھڑے ہیں۔"

"کون سے دو مسئلے؟" چودھری نے آنکھیں سکیڑ کر سوال کیا۔

"اول..... کسی چالباز شخص نے نقلی کاغذات تھما کر میاں نذیر سے پچاس ہزار روپے بٹور لیے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے، اس کا تعلق قلعہ دیدار سنگھ ہی سے ہے۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دوم..... آٹھ فروری کو جب میاں نذیر یہاں آیا تو پھر وہ واپس لاہور نہیں گیا۔ پانچ دن گزر جانے کے باوجود بھی وہ لاپتا ہے۔ اغلب امکان اس بات کا ہے کہ وہ یہیں کہیں غائب ہوا ہے یا اسے زبردستی غائب کر دیا گیا ہے۔ میں اس امکان پر یوں بھی زور دے رہا ہوں کہ میاں نذیر کے ساتھ دھوکا دہی کا یہ واقعہ آپ ہی کے علاقے میں پیش آیا ہے۔"

"یہ صرف میرا ہی نہیں، آپ کا بھی علاقہ ہے ملک صاحب!" وہ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ سجا کر بولا۔ "بلکہ آپ کا کچھ زیادہ ہی ہے کیونکہ آپ کے تھانے کی حدود میں قلعہ دیدار سنگھ کے علاوہ بھی درجن بھر گاؤں دیہات آتے ہیں۔ باقی جہاں تک آپ کے بیان کردہ مسائل کا تعلق ہے تو میں اس میں ایک اپنے ذاتی مسئلے کا اضافہ کرنا چاہوں گا۔"

"آپ کا مسئلہ؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"جی بالکل!" وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں آپ کے تھانے میں اس نامراد کے خلاف رپورٹ درج کرانا چاہتا ہوں جس نے جعلی دستخط کر کے میرا نام اور ساکھ کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں جلد از جلد اس فراڈ شخص کو جیل کی دیواروں کے پیچھے دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔"

"میں آپ کی یہ انتہائی جائز خواہش بہت جلد پوری کر دوں گا چودھری صاحب!" میں نے تشفی بھرے لہجے میں کہا۔ "سمجھ لیں کہ آپ کی رپورٹ درج ہو چکی۔"

اس کے بعد کھانا لگا دیا گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت بڑے زور کی بھوک لگی ہوئی تھی لہٰذا میں نے اور علی محمد نے تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر بقول کسے، کھانے سے پورا انصاف کیا۔ کانسٹیبل غفور احمد حویلی کے بیرونی حصے میں تھا۔ اسے وہیں پر کھانا دے دیا گیا تھا۔ پیٹ پوجا کے دوران میں میری کرید کا عمل بھی جاری تھا۔

"چودھری صاحب! کیا آپ کی حویلی میں کام کرنے والے لوگوں میں ارشاد نام کا کوئی بندہ بھی موجود ہے؟" میں نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

اس نے محتاط نظر سے مجھے دیکھا اور جواب دیا۔ "ہاں ہے..... مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ سب خیریت تو ہے نا؟"

"پوچھ تاچھ اور جانچ پڑتال کرتے رہنا ہم پولیس والوں کی گھٹی میں ہوتا ہے جناب!" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "ابھی تک تو سب خیریت ہی ہے۔ آپ کو کسی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس، اتنا بتا دیں کہ کیا ٹیوب ویل اور دیگر موٹروں کا سامان وغیرہ لانے کے لیے آپ ارشاد ہی کو لاہور بھیجا کرتے ہیں نا؟"

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے ملک صاحب!" وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولا۔ "اس قسم کے تمام کام ارشاد ہی کے ذمے ہیں لیکن میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ آپ اچانک ارشاد کے بارے میں بات کیوں کرنے لگے ہیں؟"

چودھری کے اضطرار سے لبریز استفسار کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے میں نے پوچھا۔ "آپ ارشاد پر کس قدر بھروسا کرتے ہیں؟"

"وہ میرا سالہا سال کا آزمایا ہوا ملازم ہے اس لیے میں اس پر اعتماد کرتا ہوں۔" وہ شک زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "آخر بات کیا ہے؟ کیا آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں؟"

"میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھوں گا چودھری صاحب!" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ "لاپتا میاں نذیر کی دکان پر سدھیر نام کا ایک دیرینہ وفادار ملازم کام کرتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق آپ کا ملازم ارشاد ان کی دکان سے سامان لینے لاہور آتا تھا۔ ارشاد نے پہلے میاں نذیر سے دوستی کی پھر وہ میاں صاحب کو اپنے ساتھ یہاں لانے لگا۔ اس طرح آپ کے اور میاں صاحب کے بیچ خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے اور میاں صاحب اکثر آپ سے ملنے قلعہ دیدار سنگھ آنے لگے۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ جوش بھرے انداز میں بولا۔ "وہ بندہ سدھیر غلط بیانی کر رہا ہے۔ آپ نے میاں نذیر کی دکان کا نام کیا بتایا تھا؟"

"میاں مکینیکل ورکس!" میں نے ٹھوس انداز میں جواب دیا اور مزید کہا۔ "یہ دکان لاہور کے برانڈرتھ روڈ پر واقع ہے۔"

"ارشاد بھی برانڈرتھ روڈ ہی سے سارا سامان لاتا ہے۔" چودھری نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر

''میاں مکینیکل ورکس'' سے نہیں بلکہ ''نواب ٹیوب ویل والوں سے۔ میرے پاس نواب ٹیوب ویل کی درجنوں رسیدیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو تو میں آپ کو وہ رسیدیں ابھی کے ابھی دکھا سکتا ہوں۔''

''مجھے آپ پر تو کامل بھروسا ہے چودھری صاحب! اس لیے رسیدیں دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر میں دو افراد پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ آپ کا وفادار ارشاد ہو یا گمشدہ میاں نذیر کا نمک خوار سدھیر!'' میں نے واشگاف الفاظ میں کہا۔ ''لہٰذا آپ ایک دن کے لیے ارشاد کو میرے حوالے کریں گے۔''

''وہ کس لیے؟'' اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا آپ اس پر کسی قسم کی سختی کرنا چاہتے ہیں؟''

''بالکل نہیں۔'' میں نے قطعی انداز میں کہا۔ ''دو روز بعد مجھے کسی کام سے لاہور جانا ہے۔ میں ارشاد کو اپنے ساتھ ''میاں مکینیکل ورکس'' پر لے جا کر سدھیر کے سامنے کھڑا کردوں گا پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔''

''آپ کا یہ تفتیشی منصوبہ مجھے پسند آیا ملک صاحب!'' چودھری ستائشی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کا جب دل چاہے، ارشاد کو کہیں بھی لے جا سکتے ہیں۔''

میں نے پُرتکلف لذیذ کھانے اور بھرپور تعاون کے لیے چودھری حق نواز کا شکریہ ادا کیا پھر ہم لوگ اس کی حویلی سے نکل کر تھانے کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں علی محمد نے مجھ سے کہا۔

''ملک صاحب! چودھری تو خاصا سلجھا ہوا اور سمجھ دار انسان ہے۔''

''ابھی تک تو مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' میں نے گول مول جواب دیا۔ ''آگے آگے دیکھیے، ہوتا ہے کیا۔''

علی محمد خاموش ہو گیا۔ میں نے راستے ہی میں جنرل بس اسٹینڈ سے اسے لاہور جانے والی بس میں سوار کرا دیا اور خود کانسٹیبل غفور کے ساتھ تھانے آ گیا۔

آئندہ دو دن میں میں نے قلعہ دیدار سنگھ، جنرل بس اسٹینڈ، تانگا اسٹینڈ اور دیگر مقامات پر مختلف لوگوں سے پوچھ تاچھ کی۔ ایک سادہ لباس پولیس اہلکار کو میں نے قلعہ دیدار سنگھ کے اندرونی حالات و واقعات کی خبر گیری پر متعین کر دیا۔ چودھری حق نواز نے تو میاں نذیر سے اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا لیکن علی محمد، نرگس اور سدھیر کا دعویٰ تھا کہ میاں نذیر کا قلعہ دیدار سنگھ آنا جانا تھا۔ اگر وہ چودھری حق نواز کے پاس نہیں آیا کرتا تھا تو پھر اس نے چودھری کو اس معاملے میں ملوث کیوں کیا؟ اور کیا پتا، وہ کبھی قلعہ دیدار سنگھ آیا ہی نہ ہو۔

یہ اور اس سے جڑے ہوئے دیگر سوالات کے جوابات تلاش کرنا بہت ضروری تھا۔ آپ کو بتاتا چلوں کہ انہی دو روز میں، میں نے رجسٹری آفس جا کر اس بات کی تصدیق کر لی تھی کہ پچاس ایکڑ زرعی اراضی والے ان کاغذات کا کوئی ریکارڈ وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ ایک سو دس فیصد نقلی دستاویز تھی جو کسی خاص مقصد سے تیار کی گئی تھی۔

☆☆☆

سولہ فروری کی صبح میں چودھری حق نواز کے ملازمِ خاص ارشاد کو اپنے ساتھ لے کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ لاہور پہنچ کر سب سے پہلے میں نے اپنا ذاتی کام نمٹایا پھر اس تھانے کا رخ کیا جہاں میاں نذیر کی گمشدگی کی رپورٹ گیارہ فروری کو درج کرائی گئی تھی۔ تھانہ انچارج مشتاق باجوہ مجھے پہچانتا تھا۔ اس نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا اور رسمی علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

''ہم نے جو کیس آپ کے سپرد کیا تھا، اس میں کوئی پیشرفت ہوئی؟''

''میں آج اسی سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔'' میں نے متحمل انداز میں جواب دیا۔ ''دو تین بندوں سے ضروری ملاقات کرنا ہے۔ ویسے میں نے چودھری حق نواز اور میاں نذیر کی بیوی نرگس کے فراہم کردہ پچاس ایکڑ زرعی اراضی والے کاغذات کا آپریشن کلین اپ کر ڈالا ہے۔ وہ دستاویز ایک دم بوگس ہے اور اس پر موجود چودھری حق نواز کے دستخط بھی جعلی ثابت ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں رجسٹریشن آفس میں مذکورہ زمین کی خرید و فروخت کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں کہ کسی شاطر شخص نے چودھری حق نواز کے کندھے پر بندوق رکھ کر اس چالاکی سے چلائی ہے کہ میاں نذیر کے پچاس ہزار روپے گئے کھوہ کھاتے اور چودھری کا نام خراب ہوا اس کے علاوہ......!''

''اور میاں نذیر......؟'' مشتاق باجوہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی معنی خیز انداز میں بولا۔ ''وہ بندہ بھی کہیں غائب ہو گیا ہے۔''

''اگر میاں نذیر زندہ ہے تو میں بہت جلد اسے آپ کے سامنے حاضر کردوں گا باجوہ صاحب!'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''اس گتھی کو سلجھانے کے لیے ہی میں ارشاد کو اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔'' میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے چودھری حق نواز کے ملازمِ خاص کی جانب اشارہ کیا

پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ ''گمشدہ میاں نذیر کے دیرینہ ملازم سدھیر کا یہ دعویٰ سامنے آیا ہے کہ چودھری حق نواز کا بندہ ارشاد ان کی دکان سے ٹیوب ویل کا سامان لینے آیا کرتا تھا اور ارشاد ہی پہلی مرتبہ میاں نذیر کو اپنے ساتھ گوجرانوالہ کے نواحی موضع قلعہ دیدار سنگھ لے کر گیا تھا۔ اس کے بعد میاں اور چودھری میں دوستی ہو گئی تھی لیکن چودھری حق نواز اور ارشاد ایسے کسی بھی واقعے سے واقف نہیں ہیں۔ چودھری نے مجھے بتایا ہے کہ ان کے ٹیوب ویل اور موٹروں وغیرہ کا سارا سامان ''نواب ٹیوب ویل'' نامی ایک دکان سے جاتا ہے جو کہ لاہور کے برانڈرتھ روڈ پر واقع ہے۔ برانڈرتھ روڈ پر ہی ''میاں مکینیکل ورکس'' بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ارشاد اور سدھیر کا سامنا کرانے سے یہ معاملہ کافی حد تک صاف ہو جائے گا۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے باجوہ صاحب؟''

''آپ بہت دور کی کوڑی لائے ہیں ملک صاحب!'' وہ سوچتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ کی حکمتِ عملی مجھے بہت پسند آئی ہے اور موجودہ حالات میں مجھے بھی چودھری حق نواز بے قصور ہی نظر آ رہا ہے۔ اگر چودھری نے میاں کو زمین کی فروخت کے سلسلے میں بے وقوف بنایا ہوتا تو وہ اپنے ملازم کو روبروئی کے لیے کبھی آپ کے ساتھ روانہ نہ کرتا۔ بہرکیف......'' وہ سانس ہموار کرنے کی غرض سے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''آپ کو اس مشن کے لیے میرے تھانے کے اسٹاف میں سے جتنے لوگ چاہئیں، آپ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ میں آپ کی کامیابی کے لیے پُرامید اور دعاگو ہوں۔''

''میں اس کیس کو اپنے حساب سے اکیلے ہی لیڈ کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے تھانہ انچارج کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔ ''اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو باجوہ صاحب!''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ملک صاحب!'' وہ دوستانہ انداز میں بولا۔ ''آپ کی آمد میرے تھانے میں رجسٹر ہو چکی ہے۔ میری جانب سے آپ کو فری ہینڈ ہے لیکن چائے اور کیک کھائے بغیر میں آپ کو یہاں سے اٹھنے نہیں دوں گا۔''

''یہ تو آپ کی محبت ہے باجوہ صاحب!'' میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کی خاطر داری والی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔''

آدھے گھنٹے کے بعد میں تھانے سے نکلا اور ارشاد کے ہمراہ کیپر اسٹریٹ، اردو بازار پہنچ گیا۔ سرکلر روڈ کے نزدیک واقع اردو بازار میں علی محمد کی دکان ڈھونڈنے میں مجھے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس زمانے میں لاہور کا یہ علاقہ آج کل کی طرح گنجان آباد اور رش والا نہیں ہوا کرتا تھا۔ تعمیراتی توسیع اور آبادی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد نے ان دنوں لاہور کے اردو بازار کو مچھلی بازار کی شکل دے دی ہے۔ اس پر مستزاد ٹریفک کا ازدحام...... خدا کی پناہ!

علی محمد ہماری خاطر مدارات کے موڈ میں تھا لیکن میں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا۔ ''فی الحال اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ پہلے ہم اپنا اہم کام نمٹائیں گے۔ اس کے بعد کھانے پینے کے بارے میں سوچا جائے گا۔''

میرے حتمی انداز کو دیکھتے ہوئے اس نے جلدی سے کہا۔ ''جو آپ کا حکم ملک صاحب! مجھے پتا تھا، آج آپ آئیں گے اس لیے میں نے آپ کی آسانی کے لیے سواری کا بندوبست کر رکھا ہے۔''

علی محمد کی بات سن کر میرے ذہن میں یہی آیا تھا کہ اس نے ہمارے لیے کسی سالم تانگے کا انتظام کیا ہوگا لیکن جب ہم اس کی دکان سے باہر نکلے اور میں نے اسے ایک نیلی فیاٹ کی جانب بڑھتے دیکھا تو مجھے حیرت ہوئی۔ اس زمانے میں موٹر کار کسی کسی کے پاس ہی ہوا کرتی تھی۔ ہم نیلی فیاٹ میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''یہ کار آپ کی ہے؟''

''اپنی ہی سمجھ لیں ملک صاحب!'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''یہ فیاٹ میرے ایک قریبی دوست کی ہے۔ ہم ایک دوسرے کی چیزوں کو استعمال کرنے میں کوئی حرج یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔''

''دوستی اسی درجے کی ہونا چاہیے۔'' میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''لاپتا میاں نذیر بھی آپ کا گہرا دوست تھا اور میں اسی کی گمشدگی کا معاملہ حل کرنے گوجرانوالہ سے لاہور آیا ہوں۔ پروگرام کے مطابق مجھے تین افراد سے پوچھ تاچھ کرنا ہے۔ میاں کی بیوی نرگس، میاں کا ملازم سدھیر اور نام نہاد پروفیسر علوی۔ تو آپ بتائیں ہم اس نیک کام کا آغاز کہاں سے کرنے والے ہیں؟''

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے پوچھا۔ ''آپ کو یہاں والے تھانے بھی تو جانا ہوگا ملک صاحب؟''

''تھانے والا کام میں نمٹا کر آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''میں ابھی تھانہ انچارج مشتاق باجوہ سے مل کر ہی آ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہو گیا۔'' وہ ڈرائیونگ جاری رکھتے ہوئے

رسانیت بھرے لہجے میں بولا۔ ”پہلے ہم میاں صاحب کی دکان پر چلتے ہیں۔ اس کے بعد بھاٹی گیٹ میں جا کر پروفیسر علوی سے ملاقات کریں گے اور سب سے آخر میں میاں صاحب کے گھر کا رخ کریں گے۔ شادمان کالونی ویسے بھی شہر کے دوسرے حصے میں ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ میں نے مختصر جواب دینے پر اکتفا کیا۔

”میاں مکینیکل ورکس“ پر پہنچنے کے بعد جب میری موجودگی میں سدھیر اور ارشاد کا آمنا سامنا ہوا اور میں نے سدھیر سے پوچھا کہ کیا یہی بندہ میاں نذیر کو چودھری حق نواز سے ملوانے گوجرانوالہ لے گیا تھا تو اس نے بڑا سنسنی خیز جواب دیا۔

”نہیں جناب! یہ بندہ ارشاد نہیں ہے۔“

علی محمد نے وہاں پہنچتے ہی سدھیر کو میرے بارے میں مختصراً بتا دیا تھا اور میری آمد کے مقصد سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ ارشاد سے اس کی ناشناسائی پر میں نے کہا۔

”سدھیر! چودھری حق نواز کا جو ملازم لاہور سے ٹیوب ویل وغیرہ کا سامان لینے آتا ہے، وہ ارشاد یہی ہے اور یہ ہمیشہ نواب ٹیوب ویل والوں سے اپنی ضرورت کا سامان لے کر جاتا ہے۔ تم پتا نہیں کون سے ارشاد کی بات کر رہے ہو۔ اس ارشاد کو تو میں گوجرانوالہ سے اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں اس لیے یہ غلط نہیں ہو سکتا۔“

”تھانیدار صاحب!“ سدھیر نے منت ریز لہجے میں کہا۔ ”میں نے مرنے کے بعد اپنی قبر میں جانا ہے، نہ کہ کسی دوسرے کی قبر میں اس لیے میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میاں صاحب کے پاس جو ارشاد آیا کرتا تھا، یہ بندہ وہ نہیں ہے۔ آپ کی مرضی ہے کہ میری بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ کہیں گے تو میں بڑی سے بڑی قسم کھانے کو تیار ہوں۔“

میرا مردم شناسی کا تجربہ بتا رہا تھا کہ سدھیر مجھ سے غلط بیانی نہیں کر رہا تھا۔ میں چند لمحات تک ٹٹولنے والی نظر سے اسے گھورتا رہا پھر معتدل انداز میں کہا۔

”سدھیر! میں نے کسی قسم اور کسی آزمائش کے بغیر ہی تمہاری بات کا یقین کر لیا ہے۔ اب تم اچھی طرح سوچ کر مجھے بتاؤ کہ جو بندہ ارشاد بن کر اس دکان پر آتا رہا ہے، اس کا حلیہ کیسا تھا؟ اس کا قد کاٹھ، رنگت، جسامت، عمر، نین نقش الغرض...... میں اس کے حوالے سے پوری تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔“

”بتاتا ہوں سرکار!“ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ”اس ارشاد کی عمر چالیس سے کچھ اوپر ہی ہوگی۔ آنکھیں بٹن جیسی چھوٹی، سر سے گنجا، قد بہت کم اور جسم موٹا، توند باہر کو نکلی ہوئی اور رنگ کورے لٹھے کے مانند بالکل صاف۔“

ارشاد ایک دراز قامت اور دبلا پتلا شخص تھا۔ اس کی رنگت سانولی اور عمر تیس کے اریب قریب تھی اور اس کی آنکھیں بھی مناسب سائز کی اور واضح تھیں۔

”تب تو تمہارے پاس آنے والا ارشاد کوئی دوسرا ہی بندہ ہے۔“ میں نے سدھیر کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمہیں یاد ہے کہ وہ ارشاد کب سے اس دکان پر آ رہا ہے؟“

”میرے اندازے کے مطابق کوئی سال بھر پہلے اس نے ہماری دکان سے سامان لینا شروع کیا تھا۔“ سدھیر نے مضبوط لہجے میں بتایا۔ ”آج کل کی طرح شاید وہ بھی فروری ہی کا مہینا تھا۔“

”تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ میاں صاحب پہلی بار کب گوجرانوالہ گئے تھے؟“ میں نے سوالات کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

اسی دوران میں، میں نے اپنی ڈائری کھول لی تھی اور ارشاد سے حاصل ہونے والی معلومات کے اہم نکات اس ڈائری میں درج کرتا جا رہا تھا۔ خصوصاً سدھیر کے ”ارشاد“ کا حلیہ وغیرہ میں نے بالتفصیل نوٹ کر لیا تھا۔

”جی، مجھے یاد ہے۔“ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”یہ پچھلے سال کی بات ہے۔ وہ مئی یا جون کا مہینا تھا۔ میاں صاحب نے آ کر مجھے بتایا تھا کہ ادھر قلعہ دیدار سنگھ میں گندم کی کٹائی کا کام جاری ہے۔ انہوں نے چودھری حق نواز کے اخلاق اور شرافت کی بھی بہت تعریف کی تھی۔ خاص طور پر میاں صاحب، چودھری صاحب کی مہمان نوازی سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔“

”سدھیر! کیا کبھی تمہارا گوجرانوالہ جانا ہوا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”نہیں تھانیدار صاحب!“ وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولا۔ ”لاہور سے باہر جانے کا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ ہمارے زیادہ تر رشتے دار چونیاں اور کاہنہ کاچھا میں ہیں۔ سال میں ایک آدھ بار ادھر کا چکر لگ جاتا ہے۔ ایک بار میں قصور تک بھی گیا ہوں۔ چونیاں، کاہنہ کاچھا، چھانگا مانگا اور قصور تو ایک ہی روٹ پر ہیں اور قصور کے بعد انڈیا کا بارڈر ہے۔ ویسے میاں صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ

جب وہ قلعہ دیدار سنگھ میں پھلوں کے باغات لگانا شروع کریں گے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر وہاں جائیں گے۔''

''پھلوں کے باغات پر یاد آیا......'' میں نے ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔'' کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ میاں صاحب نے چودھری حق نواز سے وہ پچاس ایکڑ زمین کب خریدی تھی؟''

علی محمد نے مجھے زمین کی خریداری کے حوالے سے جو دستاویز دی تھی، اس کے مطابق مذکورہ زرعی اراضی اسی سال بیس جنوری کو خریدی گئی تھی۔ سدھیر نے میرے استفسار کے جواب میں بتایا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، پچھلے سال اکتوبر یا نومبر میں چودھری حق نواز اور میاں صاحب کے درمیان باغات لگانے کے موضوع پر بات چیت کا آغاز ہوا تھا۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔'' اور باقاعدہ سودا جنوری کے آخری دنوں میں ہوا ہے۔ مجھے تاریخ یاد نہیں ہے۔ ہاں، جنوری کا آدھا مہینا گزرنے کے بعد کی بات ہے۔''

''سدھیر! آخری مرتبہ تم نے چودھری کے بندے ارشاد کو کب دیکھا تھا؟'' میں نے معتدل انداز میں سوال کیا۔'' میرا مطلب ہے، اس دکان پر آئے اسے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

''اسی مہینے کی چار تاریخ جناب!''

''تمہارا مطلب ہے چار فروری؟'' میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔'' آج سے بارہ دن پہلے؟''

''جی، جی...... بالکل!'' وہ اپنے سر کو تائیدی انداز میں ہلاتے ہوئے بولا۔

''اور میاں صاحب اس کے ٹھیک چار دن بعد یعنی آٹھ فروری کو گوجرانوالہ کے نزدیکی گاؤں قلعہ دیدار سنگھ گئے تھے اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے؟''

اس نے دل گرفتہ لہجے میں جواب دیا۔'' جی تھانیدار صاحب! میں اور بیگم صاحبہ ان کے لیے بہت زیادہ فکر مند ہیں۔ آپ کسی طرح میاں صاحب کو جلدی سے ڈھونڈ نکالیں۔ یہ آپ کا ہم لوگوں پر بہت بڑا احسان ہو گا سرکار!''

میں سدھیر کے خالص جذبات کو بخوبی سمجھ اور محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔'' میں میاں نذیر کو بازیاب کرنے کی خاطر ہی گوجرانوالہ سے لاہور آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد میاں صاحب کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور میں یہ ساری بھاگ دوڑ تم لوگوں پر احسان کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کر رہا ہوں۔ بس ایک دفعہ وہ بندہ میرے ہتھے چڑھ جائے جسے تم ارشاد سمجھتے ہو تو پھر میاں صاحب تک پہنچنا بہت آسان ہو جائے گا۔''

''اگر آپ کی اجازت ہو تو......'' وہ ہچکچاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔'' اگر وہ دوبارہ ہماری دکان پر آئے تو میں اسے قابو کرنے کی کوشش کروں؟''

''نیکی اور پوچھ پوچھ......!'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔'' سارے فساد کی جڑ وہی بدذات ہے اور جہاں تک میرا دماغ کہتا ہے، اسی کمینے نے اپنے جیسے کسی دوسرے کمینے کے ساتھ مل کر ایک منظم سازشی منصوبے کے تحت میاں صاحب کو نقلی کاغذات تھما کر ان سے نہ صرف پچاس ہزار روپے بھی ہتھیا لیے ہیں بلکہ انہیں کہیں غائب بھی کر دیا ہے لہٰذا وہ اب ادھر کا رخ نہیں کرے گا اور اگر بہ فرض محال وہ مردود اس دکان پر یا پورے لاہور میں تمہیں کہیں بھی نظر آ جائے تو میری طرف سے تمہیں کھلی چھٹی ہے۔ تم اس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر بھی اسے اپنے قبضے میں کرنے کے لیے آزاد ہو...... اور اس کے بعد تم نے اسے فوراً مقامی پولیس کے حوالے کر دینا ہے۔ باقی سب میں سنبھال لوں گا۔''

''آپ اس سلسلے میں بالکل بے فکر ہو جائیں تھانیدار صاحب!'' وہ جوش بھرے لہجے میں بولا۔'' میں نے پورے بارہ سال میاں صاحب کا نمک کھایا ہے۔ ان کے ساتھ دھوکا کرنے والے کی میں ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔''

''شاباش! تمہاری یہ ولولہ انگیزی مجھے پسند آئی سدھیر!'' میں نے توصیفی نظر سے اسے دیکھا۔'' ایک وفادار ملازم کو تمہارے ہی جیسا ہونا چاہیے۔ میں خود بھی اس رذیل کو ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ مجھے مل گیا تو اس کی شناخت کے لیے میں تمہیں گوجرانوالہ بلاؤں گا۔ آؤ گے نا......؟''

''آپ ایک بار بلائیں گے، میں دس بار آؤں گا۔'' وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑے عزم سے بولا۔'' میاں صاحب کے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔''

میں نے سدھیر کو ضروری ہدایات دیں اور ہم وہاں سے واپس آ گئے۔ ہماری اگلی منزل تھی پروفیسر علوی کا آستانہ بمقام بھاٹی گیٹ!

میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی کہ جب سے ہمارے ارشاد کا سدھیر سے آمنا سامنا ہوا تھا، وہ چپ چپ سا تھا جیسے گمبھیر خیالوں میں ڈوبا ہوا ہو۔ میں نے اس کی خاموشی کا سبب جاننا ضروری سمجھا اور کہا۔

''کیا بات ہے ارشاد! تم کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ کیا

تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟"

اس وقت دن کے دو بج رہے تھے اور ظاہر ہے یہ کھانے کا وقت تھا۔ ویسے بھی ہم دونوں علی الصباح گوجرانوالہ سے روانہ ہوئے تھے اور ناشتے کے نام پر ہم نے بس گزارہ ہی کر رکھا تھا۔

"آپ کا اندازہ ایک حد تک تو درست ہے تھانیدار صاحب!" وہ کار کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ "واقعی اس وقت مجھے زوروں کی بھوک لگی ہوئی ہے۔"

"اور دوسری حد کہاں ہے؟" میں نے اس کے جواب کے تناظر میں سوال کیا۔

وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "دوسری حد...... میں سمجھا نہیں جناب!"

"تم نے کہا نا، ایک حد تک میرا اندازہ درست ہے یعنی تم بھوک محسوس کر رہے ہو۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "دوسری حد سے میری مراد ہے، بھوک کے علاوہ اور کیا مسئلہ ہے؟ بھوک تو انسان کو خاموشی اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتی بلکہ وہ اپنے پیٹ کی بھرائی کے بندوبست کے لیے اپنی زبان اور ہاتھ پاؤں کو حرکت میں لے آتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سرکار!" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں کچھ اور بھی سوچ رہا تھا۔"

"اور کیا؟" میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"آنکھیں کاج بٹن جیسی، قد چھوٹا، بدن موٹا، پیٹ کا مٹکا باہر کو نکلا ہوا......" وہ پُرخیال انداز میں بولا۔ "سر سے گنجا، عمر چالیس سال سے زیادہ اور رنگ کورے لٹھے کی طرح سفید۔"

"یہ تو اس بندے کی تفصیلات ہیں جو چودھری حق نواز کے ملازم خاص ارشاد کی حیثیت سے "میاں مکینیکل ورکس" پر آیا کرتا تھا۔" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ "یعنی تمہاری حیثیت سے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میاں نذیر کے ملازم سدھیر نے اس ارشاد کا یہی حلیہ بیان کیا ہے۔ تم اس چالباز شخص کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو؟"

"مجھے لگتا ہے میں نے اس بندے کو کہیں دیکھا ہے۔" ارشاد نے انکشاف انگیز لہجے میں جواب دیا۔ "مگر یاد نہیں آ رہا...... کہاں؟"

"ادھر لاہور ہی میں یا گوجرانوالہ میں کہیں؟" میں نے تیز آواز میں استفسار کیا۔

"میں یقین سے نہیں بتا سکتا تھانیدار صاحب!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ "جب سدھیر اس بندے کے بارے میں بتا رہا تھا تو اسی وقت مجھے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ میں نے اس قد کاٹھ اور حلیے کے بندے کو دیکھا ہے مگر باوجود کوشش کے بھی میں ابھی تک یہ یاد نہیں کر پایا کہ...... کب...... ؟ کہاں؟"

"تم اسے یاد کرنے کی کوشش کو مسلسل جاری رکھو۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جب کسی انسان کے پیٹ میں چوہے "میراتھن، میراتھن" کھیل رہے ہوں اور ان کی بھاگ دوڑ سے آنتیں چاروں قل پڑھنے میں مصروف ہو جائیں تو ایسے میں اس انسان کی عقل دماغ سے نکل کر گھٹنوں اور ٹخنوں میں جا بیٹھتی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں جناب!" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "آپ نے میرے مسئلے کو پکڑ لیا ہے۔"

"کسی بھی مسئلے کو پکڑ لینا کافی نہیں ہوتا ارشاد۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "اس مسئلے کا حل نکالنا بھی ضروری ہوتا ہے اور میں نے تمہارے مسئلے کا جامع حل سوچ لیا ہے۔"

"وہ کیا جی؟" ارشاد نے اضطراری لہجے میں استفسار کیا۔

اسی وقت ہماری کار بھاٹی گیٹ پہنچ گئی۔ "ملک صاحب!" علی محمد نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے ایک سمت اشارہ کیا اور معتدل انداز میں بتایا۔ "وہ رہا جناب پروفیسر علوی کا آستانہ!"

"کار کو آپ سائڈ میں روک دیں۔" میں نے علی محمد سے کہا۔

اس نے میرے حکم کی تعمیل کر دی۔

"علی محمد! میں اکیلا ہی پروفیسر کے آستانے میں جا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس دوران میں آپ نے دو کام کرنا ہیں۔"

وہ ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے بولا۔ "جی ملک صاحب! حکم کریں۔"

"یہاں نزدیک ہی ایک ولی کامل حضرت علی ہجویریؒ کا مزار ہے جو عرفِ عام میں "داتا دربار" کہلاتا ہے اور یہاں کے مرغ چھولے بہت مشہور ہیں۔" میں نے معتدل انداز میں کہا۔ "آپ دونوں وہاں جا کر کھانا کھائیں۔ یہ تو ہو گیا پہلا کام اور دوسرا کام......" لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک آسودہ سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "کھانا کھانے کے بعد آپ نے ارشاد کو یادگار چوک لے کر جانا ہے اور وہاں سے اسے گوجرانوالہ جانے والی کسی بس پر سوار کرنا ہے۔ علاوہ ازیں ارشاد کے ٹکٹ کے پیسے بھی آپ ہی نے ادا کرنا ہیں۔ آپ میری بات سمجھ گئے نا؟"

"بالکل سمجھ گیا جناب!" وہ اثبات میں گردن ہلا کر

بولا۔ ''آپ جیسا چاہتے ہیں، وہ ہو جائے گا مگر میں آپ کے ساتھ کھانا کھانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''
''میرے ساتھ کھانا کھانے کے لیے آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔'' میں نے کہا۔
''ٹھیک ہے، میں انتظار کرلوں گا۔'' وہ فرمانبرداری سے بولا۔
''تو پھر آپ جا کر وہ کام نمٹالیں جو میں نے آپ کو بتایا ہے۔'' میں نے حتمی انداز میں کہا۔ ''اس دوران میں، میں پروفیسر علوی سے ملاقات کرلیتا ہوں۔''
''تھانیدار صاحب! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' ارشاد نے ہچکچاہٹ آمیز انداز میں مجھ سے پوچھا۔
''نہیں تو۔'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیوں، کیا ہوا؟''
''میں آپ کے ساتھ آیا تھا اور آپ مجھے اکیلے ہی واپس بھیج رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اس سے مجھے لگا کہ شاید آپ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔''
''ایسی کوئی بات نہیں ہے ارشاد!'' میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہا۔ ''تمہیں جلدی واپس بھیجنے کا میرا ایک خاص مقصد ہے۔ تمہارا ذہن اس وقت قلعی ارشاد میں الجھا ہوا ہے۔ تم اس بہروپیے کے بارے میں سوچ رہے ہو کہ وہ تمہیں کب اور کہاں نظر آیا تھا اور میں تمہیں اس نیک کام کو جلد از جلد کرنے کا موقع فراہم کر رہا ہوں کیونکہ میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ تین کاموں کے دوران میں بھولی بسری چیزیں خود بخود یاد آنے لگتی ہیں۔ اول، عبادت...... دوم، رفع حاجت...... سوم، سفر۔ تم لاہور سے گوجرانوالہ تک کے سفر میں اس بہروپیے کے بارے میں سوچو گے تو وہ تمہیں یاد آجائے گا۔ تم کل کسی وقت تھانے آکر مجھے بتانا کہ اس تجربے کا کیا نتیجہ نکلا۔''
اس نے اثبات میں گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔ میں نیلی فیاٹ سے نیچے اتر گیا۔ علی محمد نے کار آگے بڑھادی۔
سدھیر نے دھوکے باز ارشاد کی شخصیت کے حوالے سے جو کچھ بتایا تھا، اس کی تفتیشی معاملات میں بہت زیادہ اہمیت تھی اور یہ اہمیت اس وقت میری نگاہ میں ہزاروں گنا بڑھ گئی تھی جب اصلی ارشاد نے اپنے محسوسات کا مجھ سے اظہار کیا تھا۔ اگر اسے ایسا لگ رہا تھا کہ سدھیر کے بیان کردہ بندے کو اس نے کہیں دیکھ رکھا ہے تو یقیناً بار بار کوشش کرنے سے اس کی یادداشت میں کوئی مفید اور مثبت انگڑائی بھی دیکھنے کو مل سکتی تھی۔ اگر مرد مذکور ایک بار میرے ہاتھ لگ جاتا تو میں اس کی زبان کھلوانے کے بعد اس کیس کو چٹکی بجاتے ہی حل کرسکتا تھا۔

☆☆☆

اس زمانے میں ''بھاٹی گیٹ'' نامی علاقے میں عوام کی تفریح کے دو ہی مراکز ہوا کرتے تھے۔ نمبر ایک، پاکستان ٹاکیز...... نمبر دو، ملک تھیٹر۔ اس کے علاوہ تھوڑے فاصلے پر ''بازارِ حسن'' بھی واقع تھا مگر ادھر کا رخ مخصوص مزاج اور قماش کے افراد ہی کیا کرتے تھے۔ عام پبلک کا رجحان ''پاکستان ٹاکیز'' اور ''ملک تھیٹر'' ہی کی طرف تھا اور ان کی نظر میں بازارِ حسن کے بارے میں سوچنا بھی کسی گناہِ بےلذت سے کم نہیں تھا۔
پروفیسر علوی کا آستانہ ملک تھیٹر کی بغل میں واقع تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو پروفیسر اپنے آستانے میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس وقت چونکہ عوامی لباس میں تھا اس لیے وہ مجھے بھی کوئی سائل ہی سمجھا۔ میں اس کے سامنے جا کر بیٹھا تو اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہاں تو بتاؤ، تمہیں کون سی پریشانی یہاں کھینچ کر لے آئی ہے؟''
پروفیسر علوی کا وہ آستانہ روایتی آستانوں کے مانند فرشی نشست کا حامل نہیں تھا بلکہ اس نے اسے ایک آفس کی طرح میز کرسی وغیرہ سے سیٹ کر رکھا تھا۔ ایک کرسی پر وہ خود براجمان تھا اور دو کرسیاں سائلین کے لیے میز کی دوسری جانب رکھی ہوئی تھیں جن میں سے ایک پر اس وقت میں پروفیسر کے روبرو بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے سوال کرنے کے بعد اس نے حساب کتاب کی غرض سے کاغذ قلم سنبھال لیا تھا۔
''میرا ایک دوست اچانک گم ہوگیا ہے۔'' میں نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا۔ ''بس یہی پریشانی ہے میری۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے دوست کا اتا پتا لگائیں۔''
''تمہارا دوست کب سے لاپتا ہے؟'' اس نے کاغذ پر قلم چلاتے ہوئے پوچھا۔
''آٹھ فروری کی صبح سے۔'' میں نے بتایا۔
''اوہ...... تو اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا ہے۔'' اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے اپنے دوست کو کہاں کہاں تلاش کیا ہے؟''
''ہر جگہ......'' میں نے گول مول جواب دیا۔ ''تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ بھی درج کرائی ہے مگر ابھی تک کوئی مثبت خبر سننے کو نہیں ملی۔''
''یہ پولیس والے کسی کام کے نہیں ہیں۔'' وہ بُرا سا

منہ بناتے ہوئے بولا۔ ”خیر، اب تم بالکل ٹھیک جگہ پر آگئے ہو۔ تمہارا وہ لاپتا دوست جہاں کہیں بھی ہوگا، میں اسے چوبیس گھنٹے کے اندر ڈھونڈ نکالوں گا۔“

”آپ کو تو پولیس ڈیپارٹمنٹ جوائن کر لینا چاہیے پروفیسر صاحب! آپ کے علم کی بدولت ان کے بہت سارے پیچیدہ کیسز چٹکی بجاتے میں حل ہو سکتے ہیں۔“ میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر معتدل انداز میں کہا۔ ”اب یہی دیکھ لیں نا، جو کام وہ لوگ آٹھ دن میں نہیں کر سکے، وہ آپ آئندہ چوبیس گھنٹے میں کرنے والے ہیں خیر سے۔“

اس نے شک بھری نظر سے مجھے گھورا اور روکھے لہجے میں دریافت کیا۔ ”کیا تمہیں میری صلاحیتوں پر بھروسا نہیں ہے؟“

”اگر بھروسا نہ ہوتا تو میں آپ کے پاس چل کر نہ آتا۔“ میں نے اسے بانس پر چڑھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ لاہور شہر کے جانے پہچانے اور مانے ہوئے عامل کامل ہیں پروفیسر صاحب! ہر قسم کی کاٹ اور لوٹ پلٹ کے ماہر......“ پھر میں نے سچ کے اندر جھوٹ کا تڑکا لگاتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ ”میرا ایک رشتے دار ادھر گڑھی شاہو میں رہتا ہے۔ اس کا نام قدیر ہے۔ وہ اپنے ہر کام کے لیے آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اسی نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں ہے جو آپ نہ کر سکتے ہوں۔ میں بڑی امید لے کر آپ کے آستانے پر آیا ہوں پروفیسر صاحب!“

”ہوں۔“ اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ میری وضاحت نے اس کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات سجا دیے تھے۔ ایک بار پھر وہ کاغذ قلم کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے مجھ سے مستفسر ہوا۔

”تمہارے گمشدہ دوست کا نام مع والدہ......؟“

”مع والدہ......!“ میں نے مصنوعی الجھن کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں!“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہارے دوست اور اس کی ماں کا نام کیا ہے۔ اس کا پتا لگانے کے لیے مجھے ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔“

”میں آپ کو اپنے اس دوست کا نام تو بتا سکتا ہوں مگر اس کی ماں کا نام مجھے معلوم نہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی ماں کا نام ضرور جانتے ہوں گے۔“

میرے آخری جملے نے پروفیسر علوی کو چونکا دیا۔ اس نے کڑے لہجے میں استفسار کیا۔ ”تمہیں ایسا یقین کیوں ہے۔ مجھے اس بندے کی ماں کا نام کیسے معلوم ہوگا؟“

”اس لیے کہ......“ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ”میرا وہ دوست آپ کا گہرا عقیدت مند ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے کے لیے مشورہ کرنے آپ ہی کے پاس آیا کرتا تھا۔“

”کک......کون......؟“ وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔ ”تم کس کی بات کر رہے ہو؟“

”میاں نذیر کی۔“ میں نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔ ”میاں مکینیکل ورکس برانڈرتھ روڈ لاہور والے میاں صاحب!“

”اوہ......تو تم میاں صاحب کے دوست ہو؟“ وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

”میں ہر اس شخص کا دوست، مددگار اور خیر خواہ ہوں جو کسی بھی قسم کی مصیبت میں گھرا ہو۔“ میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میرا نام صفدر حیات ہے۔ میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک تھانے کا انچارج ہوں اور میاں نذیر کی گمشدگی والے کیس کی تفتیش کے سلسلے میں مجھے گوجرانوالہ سے لاہور آنا پڑا ہے۔ امید ہے آپ میری آمد کا مقصد وضاحت کے ساتھ سمجھ گئے ہوں گے؟“

میری اصلیت کا پتا چلتے ہی وہ پٹری پر آگیا۔ اس نے میرے انکار کے باوجود بھی ضد کر کے لائٹ ریفریشمنٹ کا بندوبست کر دیا اور میاں نذیر کے حوالے سے مجھے بتانے لگا۔

”مجھے میاں صاحب کی گمشدگی کے بارے میں ان کی بیوی نرگس نے بتایا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”وہ اکثر میرے پاس آیا کرتے تھے اور مجھے بہت مانتے تھے۔ میں بھی ان کے لیے سخت پریشان ہوں۔ پتا نہیں، ادھر گوجرانوالہ میں ان کے ساتھ کیا ہوا ہے؟“

میں نے سدھیر سے ہونے والی ملاقات اور پچاس ایکڑ زرعی اراضی کے جعلی کاغذات وغیرہ کے بارے میں پروفیسر کو بتانا ضروری نہ سمجھا اور قدرے تیکھے لہجے میں کہا۔

”مجھے پتا چلا ہے کہ میاں صاحب نے آپ ہی کے مشورے پر گوجرانوالہ کے نواحی علاقے قلعہ دیدار سنگھ میں پھلوں کے باغات لگانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس سلسلے میں وہاں کے چودھری حق نواز سے پچاس ایکڑ زمین بھی خرید لی تھی؟“

”آپ کو یہ بات کس نے بتائی ہے؟“ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

میں نے سادہ لہجے میں پوچھا۔ ”کون سی بات؟“

''کہ میاں صاحب نے میرے مشورے پر وہ زمین خریدی تھی۔''

''کسی نے بھی بتایا ہو، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''فرق پڑتا ہے جناب!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اس سے چیزوں کے معنی بدل جاتے ہیں۔''

''حقیقت کیا ہے، آپ اپنی زبان سے بیان کردیں پروفیسر صاحب!'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''آپ کی طرح میں بھی اپنے دل میں میاں صاحب کے لیے ہمدردی اور مدد کے جذبات رکھتا ہوں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جب میاں صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ قلعہ دیدار سنگھ میں پھلوں کے باغات لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو میں نے دوٹوک انداز میں ان سے کہہ دیا تھا...... دکان داری کی بہ نسبت کھیتی باڑی اور زراعت زیادہ منافع بخش اور عزت دار پیشہ ہے۔ اگر آپ نے پھلوں کے باغات لگانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر لاہور کے گرد ونواح میں زمین دیکھیں۔ اتنی دور قلعہ دیدار سنگھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ میری اس بات کے جواب میں انہوں نے کہا...... چودھری حق نواز سے میری دوستی ہوگئی ہے اور میں نے باغات کے لیے زمین پسند بھی کرلی ہے۔ آپ بس اتنا بتادیں کہ اس کام میں مجھے فائدہ ہوگا یا نہیں۔ میں نے کہہ دیا...... اگر آپ نے اپنی لت سے جان نہیں چھڑائی تو باغات کہیں بھی لگائیں، فائدے کے کم اور نقصان کے امکانات زیادہ ہیں...... میری زبان سے یہ کڑوا سچ سن کر وہ چیں بہ جبیں ہوئے پھر موضوع بدل کو دوسری باتیں کرنے لگے تھے۔''

''آپ نے ابھی میاں صاحب کی کسی لت کا ذکر کیا ہے۔'' اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے کہا۔ ''میں اس بارے میں جاننا چاہوں گا۔''

''میاں صاحب جوا کھیلنے کے شوقین تھے۔'' پروفیسر علوی نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا۔ ''وہ باتوں ہی باتوں میں ذکر کرچکے تھے کہ چودھری حق نواز کے ڈیرے پر بڑے پیمانے کا جوا بھی ہوتا ہے اور انہوں نے پچاس ایکڑ زمین کی جو قیمت ادا کی ہے، اس میں سے زیادہ رقم انہوں نے چودھری کے ڈیرے پر ہی جیتی تھی۔ میاں صاحب کی یہ بات سن کر میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں اور میں نے کوئی حساب لگائے بغیر ہی یہ جان لیا تھا کہ چودھری حق نواز کوئی پرانا اور تجربہ کار کھلاڑی ہے۔ اس نے میاں صاحب کو شکار کرنے کے لیے یہ سارا کھیل رچایا ہے اور دیکھ لیں...... میں نے کچھ غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ میاں صاحب اور وہ پچاس ایکڑ زمین سب کچھ غائب ہوچکا ہے۔''

''جب آپ کی چھٹی، ساتویں اور آٹھویں حس نے آپ کو بتادیا تھا کہ قلعہ دیدار سنگھ میں میاں نذیر کے خلاف کوئی گھناؤنی سازش بنی جارہی ہے تو آپ نے اپنے عقیدت مند دوست کو اس خطرے سے آگاہ کیوں نہیں کیا تھا؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اس موقع پر میاں صاحب کو سمجھانا آپ کا فرض بنتا تھا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں تھانیدار صاحب!'' وہ شاکی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں نے اپنا یہ فرض ادا کرنے کی ہرممکن کوشش کی تھی مگر یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ جوا، شراب اور زنا ایسی عادت خبیثہ ہیں کہ ان میں مبتلا شخص کسی خیر خواہ کی نصیحت پر کان نہیں دھرتا۔ جب میں نے زیادہ سمجھانے کی کوشش کی تو میاں صاحب نے میرے پاس آنا ہی چھوڑ دیا پھر ایک روز ان کی بیوی کی زبانی مجھے پتا چلا کہ وہ پراسرار طور پر کہیں غائب ہوگئے ہیں۔ مقصود مغل اور احسان اللہ بھی میاں صاحب کے لیے بہت فکرمند ہیں۔''

''یہ مقصود مغل اور احسان اللہ کون ہیں؟'' میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''میاں صاحب کے پرانے جواری ساتھی۔'' پروفیسر علوی نے ڈرامائی انداز میں جواب دیا۔ ''مقصود مغل لکشمی چوک میں رہتا ہے اور احسان اللہ کی رہائش لوہاری گیٹ کی طرف ہے۔ یہ سب لوگ ہفتے میں ایک بار مل بیٹھ کر جوا کھیلتے تھے۔ مقصود اور احسان نے بھی میاں صاحب کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ لگ بھگ پچھلے چھ ماہ سے انہوں نے مقصود اور احسان کے ساتھ ایک بھی بازی نہیں کھیلی تھی۔ انہیں جیسے ہی وقت ملتا، وہ سیدھے چودھری حق نواز کے پاس قلعہ دیدار سنگھ پہنچ جاتے تھے۔ آخری بار جب وہ گئے تو پھر واپس نہیں آئے۔''

''آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ پروفیسر صاحب!'' میں نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں دوبارہ بھی آپ کے پاس آؤں گا۔''

''میری خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد میاں صاحب کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوجائیں۔'' وہ بھی میری تقلید میں کھڑا ہوگیا۔

''میں آپ کی اس خواہش کو ضرور پورا کروں گا۔''

میں نے کہا اور پروفیسر سے مصافحہ کرکے اس کے آستانے سے باہر نکل آیا۔

نیلی فیاٹ میری منتظر تھی۔ میں نے پسنجر سیٹ پر بیٹھنے کے بعد علی محمد سے پوچھا۔ ''کیا آپ نے ارشاد کو روانہ کر دیا؟''

''جی ملک صاحب!'' وہ گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''بس پر سوار کرانے سے پہلے میں نے اسے خاصا ٹائٹ کھانا بھی کھلا دیا ہے اور اب ہماری باری ہے۔''

''کیسی باری؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''کھانے کی باری جناب!'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''تین سے اوپر ٹائم ہو گیا ہے۔ بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔''

''پہلے میاں نذیر کی بیوی نرگس سے بات نہ کر لیں۔ اس کے بعد اطمینان سے کہیں بیٹھ کر پیٹ پوجا کریں گے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے آج ہی واپس گوجرانوالہ بھی جانا ہے اور مغرب کے بعد کوئی بس یا ویگن نہیں ملے گی۔ کھانا تو کسی بھی وقت کھایا جا سکتا ہے مگر نرگس سے ملاقات زیادہ ضروری ہے۔ میں نے پچاس ایکڑ زمین کے بوگس کاغذات بھی اس کے حوالے کرنا ہیں۔''

''آپ کے یہ سارے کام اپنے وقت پر ہو جائیں گے ملک صاحب!'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا۔ ''بھاٹی گیٹ سے اردو بازار زیادہ دور نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنی دکان پر لے کر جا رہا ہوں۔ ہم وہیں بیٹھ کر تسلی سے کھانا کھائیں گے۔ اس کے بعد شادمان کالونی کا رُخ کریں گے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ اگر آپ کو واپسی کے لیے کوئی سواری نہ ملی تو میں اسی کار میں آپ کو گوجرانوالہ چھوڑ کر آؤں گا۔''

علی محمد کی اس پُرخلوص پیشکش کو میں ٹھکرا نہ سکا اور اسے شرفِ میزبانی بخشنے کے لیے میں اس کی دکان کی طرف جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔

دورانِ سفر میں اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''پروفیسر علوی سے کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟''

جواب میں، میں نے اسے میاں نذیر کی جوئے کی لت کے بارے میں بتا دیا۔ وہ ایک بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''ہاں، میں یہ بات جانتا ہوں۔ میں نرگس بھابی کو اپنے ساتھ لے کر مقصود مغل اور احسان اللہ سے ملنے گیا تھا۔ پروفیسر علوی نے آپ کو جو کچھ بتایا، وہ غلط نہیں ہے۔ میاں صاحب نے جب سے قلعہ دیدار سنگھ جانا شروع کیا تھا، وہ اپنے پرانے جواری دوستوں کو جیسے بھول

ہی گئے تھے۔ وہ دونوں بھی میاں صاحب کی گمشدگی پر بہت پریشان ہیں۔"

"آپ کو جب میاں صاحب کی جوئے والی عادت کا علم تھا تو یہ بات آپ نے مجھ سے کیوں چھپائی؟" میں نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"بہ خدا اس میں میرے کسی ارادے یا بدنیتی کا دخل نہیں ہے ملک صاحب!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ "بس، مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ میاں صاحب کی اچانک گمشدگی نے مجھے ذہنی طور پر خاصا منتشر کر دیا تھا۔ میرا زیادہ دھیان ان کی بازیابی پر لگا ہوا تھا۔ بس، یہ بات دماغ سے نکل گئی۔"

"خیر ہے......! جب انسان کا ذہن بیک وقت مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہو تو ایسی گڑبڑ ہو ہی جاتی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "آپ کو اس حوالے سے معذرت پیش کرنے یا کسی قسم کے ذہنی دباؤ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ نے میرے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا ملک صاحب!" وہ ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے تشکرانہ انداز میں بولا۔ "آپ ایک عظیم انسان ہیں۔"

میں نے علی محمد کی بات کے جواب میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ جب کوئی آپ کو عظمت کے مینار پر چڑھانے کی کوشش کر رہا ہو تو عقل مندی اسی میں ہے کہ خاموش رہا جائے۔ سو میں نے بھی چپ سادھ لی تھی۔

☆☆☆

رات کو میں کافی دیر سے سویا تھا مگر صبح عادت کے مطابق وقتِ روزمرہ پر میری آنکھ کھل گئی۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد میں نے ناشتا کیا اور تیار ہو کر تھانے آ گیا۔ میرے جلدی آنے کی وجہ سے تھانے کا اسٹاف خاصا مستعد اور چاق و چوبند رہتا تھا۔ میں نے حوالدار مرید حسین کو ضروری ہدایات دیں اور کانسٹیبل سلطان علی کو اپنے ساتھ لے کر قلعہ دیدار سنگھ کی جانب روانہ ہو گیا۔

گزشتہ روز گمشدہ میاں نذیر کی بیوی نرگس سے بہت ہی مختصر ملاقات ہو پائی تھی۔ نرگس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے اسے پچاس ایکڑ زمین کے جعلی کاغذات دینے کے بعد الف سے یے تک تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کر دیا تو وہ میرا شکریہ ادا کرنے کے بعد گلوگیر آواز میں بولی تھی۔

"تھانیدار صاحب! کسی بھی طرح کوشش کر کے آپ میاں صاحب کو ڈھونڈ نکالیں۔ اب تو آپ کو دو کچے اشارے بھی مل گئے۔ ایک وہ بہروپیا ارشاد جو چودھری حق نواز کا بندہ بن کر میاں صاحب سے ملتا رہا ہے۔ دوسرے آپ کے علاقے کا کوئی ایاز زمیندار جو اپنے ڈیرے پر جوا کراتا ہو۔ پروفیسر علوی نے آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ جوا کھیلنا میاں صاحب کا شوق ہے۔ ان کے ایک دم غائب ہو جانے کے بعد میں ان کے پرانے جواری ساتھیوں احسان اللہ اور مقصود مغل سے بھی جا کر ملی تھی۔ وہ بے چارے دونوں میاں صاحب کے لیے بہت پریشان ہیں۔"

یہ ماننا پڑے گا کہ نرگس خاصی عقلمند عورت تھی۔ اس نے میاں نذیر کی بازیابی کے حوالے سے جن دو اہم اشاروں کا ذکر کیا تھا، وہ ایک طرح سے میری سوچ کی ہی عکاسی تھے۔ ان لمحات میں، میں بھی انہی خطوط پر فوکس کیے ہوئے تھا۔

میں بڑے بھرپور انداز میں نرگس کو تسلی دلاسا دے کر اس کی کوٹھی سے نکل آیا تھا۔ وہ عالیشان کوٹھی نہر کے کنارے پر واقع شادمان کالونی میں تھی۔ نرگس ایک تعلیم یافتہ اور رکھ رکھاؤ والی تیس سالہ خاتون تھی۔ وہ میاں نذیر کی دوسری بیوی تھی۔ میاں کی پہلی بیوی صفیہ کا لگ بھگ تین سال پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

میں چونکہ نرگس کی طرف سے جلدی فارغ ہو گیا تھا لہٰذا علی محمد کو مجھے گوجرانوالہ چھوڑنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑی تھی۔ میں لاہور سے گوجرانوالہ آنے والی آخری بس پر سوار ہو کر تھانے آ گیا تھا۔

چودھری حق نواز نے بڑی گرمجوشی سے میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے ساتھ حویلی کے اندرونی حصے میں لے گیا۔ ہم آمنے سامنے بیٹھ چکے تو اس نے اضطراری لہجے میں کہا۔

"ملک صاحب! اچھا ہوا آپ آ گئے۔ میں آج آپ کی طرف آنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بس میں ایک گھنٹے میں حویلی سے نکلنے ہی والا تھا۔"

"آپ کے چہرے کی چمک سے تو لگ رہا ہے کہ آپ مجھے کوئی خاص بات بتانے والے ہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

"آپ کو بالکل ٹھیک لگ رہا ہے جناب!" وہ جوشیلے لہجے میں بولا۔ "میں پہلے آپ کی خاطر تواضع کا بندوبست کر لوں پھر سکون سے بات کرتے ہیں۔"

پھر میرے منع کرنے کے باوجود بھی وہ ایک ملازم کو بلا کر احکامات صادر کرنے لگا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد میرے سامنے میز پر انواع و اقسام کی نعمتیں سج چکی تھیں۔ میں نے

رزق کو خاطر خواہ تعظیم دیتے ہوئے چودھری سے کہا۔

"اب بتائیں، وہ کون سی خاص بات ہے؟"

"آپ نے میرے ملازم کو سوچنے اور یاد کرنے کے کام پر لگا دیا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اس اللہ کے بندے نے بھوک، پیاس اور نیند کو تیاگ کر آخر کامیابی حاصل کر ہی لی ہے۔"

"آپ ارشاد کی بات کر رہے ہیں؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ "کیا ارشاد کو یاد آ گیا ہے کہ وہ بندہ اسے کب اور کہاں دکھائی دیا تھا جو ارشاد بن کر گمشدہ میاں نذیر کو دھوکا دے رہا تھا؟"

"جی بالکل! میں اسی بندے کی بات کر رہا ہوں۔" وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس کا نام پرویز ہے اور لوگ اسے پیجا کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس کی رہائش موضع چندا قلعہ میں ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے...... چن دا قلعہ؟"

چن دا قلعہ یا چندا قلعہ، لاہور سے گوجرانوالہ آتے ہوئے گوجرانوالہ کی حدود کے آغاز پر واقع تھا۔ اس کے بعد نہر اپر چناب تھی۔ نہر کو عبور کرنے کے بعد کم و بیش ڈیڑھ میل کی دوری پر میرا تھانہ تھا۔ چن دا قلعہ نامی وہ گاؤں جی ٹی روڈ کی دونوں جانب پھیلا ہوا تھا۔

"جی، میں اسی گاؤں کا ذکر کر رہا ہوں۔" چودھری نے رسانیت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"چودھری صاحب! یہ پرویز عرف پیجا لاہور جا کر میاں نذیر کی دکان پر خود کو آپ کا ملازم ارشاد بتاتا رہا ہے۔" میں نے چودھری حق نواز کے چہرے پر نگاہ جما کر معتدل انداز میں کہا۔ "گویا اس نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کے خلاف ایک خطرناک سازش بنی ہے۔ آخر اسے آپ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"یہی تو میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔" چودھری نے متذبذب انداز میں کہا۔ "اس علاقے کا چودھری فرید احمد ہے اور فرید احمد سے ہماری قریبی رشتے داری ہے۔ فرید میرے چھوٹے بھائی علی نواز کا سالا ہے۔ اس کی اکلوتی بہن نادرہ سے علی نواز کی شادی ہوئی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ نادرہ مجھے اور میرے بیوی بچوں کو پسند نہیں کرتی لیکن فرید احمد کے ساتھ ہمیشہ میرے اچھے تعلقات رہے ہیں۔ اس کے علاقے میں بسنے والا ایک معمولی سا انسان میرے خلاف اتنی گھناؤنی سازش کیسے کر سکتا ہے؟"

"کیسے، کیوں، کب...... اور انہی جیسے دوسرے سوالیہ الفاظ کے مفصل جواب حاصل کرنے کی سائنس ہے میرے پاس۔ میں پیجا کو آج ہی گرفتار کر کے اپنے تھانے کے ٹرائل روم میں پہنچاتا ہوں۔ اس کی زبان بہتے پانی کے مانند رواں ہو جائے گی۔" میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "اس سے پہلے میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہوں گا۔ امید ہے کہ آپ میرے ہر سوال کا سیدھا اور کھرا جواب دیں گے۔"

"بے شک دوں گا۔" وہ چٹانی لہجے میں بولا۔ "آپ پوچھیں......!"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ کو جوا کھیلنے کا شوق ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ پوری قطعیت سے بولا۔ "میں نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔"

"کیا آپ کے ڈیرے پر ایسا کوئی کام ہوتا ہے؟"

اس نے شدت سے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اپنے بھائی علی نواز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔ "میں سمجھا نہیں ملک صاحب......؟"

"مطلب یہ کہ علی نواز کو جوا کھیلنے کی عادت ہو۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "اور وہ اپنے ڈیرے پر جوا کراتا ہو؟"

"ملک صاحب! اباجی کی زندگی میں ہم دونوں بھائی اسی حویلی میں ایک ساتھ مل کر رہا کرتے تھے۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "اس دوران میں میں نے کبھی علی نواز میں اس قسم کا کوئی عیب نہیں دیکھا۔ تین سال پہلے اباجی فوت ہو گئے تھے۔ اس کے بعد علی نواز نے اپنی بیوی کی ضد سے مجبور ہو کر بٹوارے کا مطالبہ کیا اور جب میرے سمجھانے کے باوجود بھی وہ اسی بات پر اڑا رہا کہ ہم دونوں بھائی ایک جگہ نہیں رہ سکتے تو نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑا۔ اب ہم دونوں الگ ہیں۔ اگر ہمارے درمیان بہت اچھے تعلقات نہیں ہیں تو خدانخواستہ دشمنی والی بھی کوئی بات نہیں۔ میری معلومات کے مطابق، علی نواز خود جوا کھیلتا ہے اور نہ ہی اس کے ڈیرے پر ایسی کوئی سرگرمی ہوتی ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔" لمحاتی توقف کر کے اس نے اپنی سانس ہموار کی پھر مجھ سے مستفسر ہوا۔

"ملک صاحب! میں جاننا چاہوں گا کہ اس کیس میں "جوا" کہاں سے آن ٹپکا۔ کیا اس کا میاں نذیر کی گمشدگی سے کوئی تعلق واسطہ ہے؟"

''بہت گہرا تعلق اور نہایت ہی اہم واسطہ ہے چودھری صاحب!'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میاں نذیر نے جس ''قلعہ دیدار سنگھ'' میں پچاس ایکڑ ''زمین'' باغات کے لیے ''خریدی'' تھی، وہاں کے چودھری ''حق نواز'' اپنے ڈیرے پر جوا کراتے ہیں جہاں میاں نذیر نے اچھی خاصی رقم ''جیتی'' تھی۔''

میں نے اپنے جواب میں کئی ایک الفاظ پر زور دیا تھا۔ میرے خاموش ہونے پر وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''ساری بات سمجھ میں آ گئی ملک صاحب! میری ساکھ کو بٹا لگانے اور مجھے پچاس ایکڑ اراضی کی جعلی فروخت میں ملوث کرنے کے لیے کسی چالباز شخص نے یہ سازشی کھیل رچایا ہے۔''

''جب یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے تو پھر اندازہ لگائیں، آپ سے اس قسم کی دشمنی کون کر سکتا ہے؟'' میں نے چودھری کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یقیناً پرویز عرف پیجا کے پیچھے کوئی بہت ہی شاطر اور طاقتور شخص چھپا ہوا ہے۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں ملک صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میرا دھیان کسی کی طرف نہیں جا رہا۔''

''آپ اپنے دماغ پر زیادہ دباؤ نہ ڈالیں چودھری صاحب!'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''آپ کے دشمن کو تلاش کرنا میرا کام ہے۔ آپ بس مجھے اتنا بتا دیں کہ آلے دوالے کے گاؤں میں کون ایسا طاقتور انسان ہے جو زمیندار بھی ہو اور اسے جوئے وغیرہ کا نہ صرف شوق ہو بلکہ وہ اپنے ڈیرے پر اس کا اہتمام بھی کرتا ہو؟''

''چودھری فرید احمد کے بڑے بیٹے چودھری احسان کو جوئے کی لت ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''احسان کی عمر تیس کے قریب ہے اور وہ اپنے ہم قماش لوگوں کے ساتھ ڈیرے پر ایسی تفریحات کرتا رہتا ہے۔''

''ہم قلعہ دیدار سنگھ کی جگہ چن دا قلعہ اور چودھری حق نواز کی جگہ چودھری احسان احمد کو رکھ کر آگے بڑھتے ہیں۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس حساب سے پیجا، ارشاد بن کر میاں نذیر سے ملتا رہا اور پھر میاں نذیر کو چودھری حق نواز کی حیثیت میں چودھری احسان احمد سے ملوا دیا۔ چودھری احسان نے چودھری حق نواز بن کر اپنی فرضی پچاس ایکڑ زمین جعلی دستاویز کے ذریعے میاں نذیر کے ہاتھ فروخت کر دی۔ اگر یہاں تک میری یہ تھیوری درست ثابت ہو جاتی ہے تو پھر میاں نذیر کا سراغ لگانے میں مجھے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔'' اپنی بات مکمل کرتے ہی میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں ملک صاحب؟'' چودھری نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

''پیجا کو گرفتار کرنے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''اور اس مقصد کے لیے مجھے آپ کے ملازم ارشاد کی ضرورت پیش آئے گی کیونکہ وہ پیجا کو پہچانتا ہے۔''

''میں اور میرے تمام ملازمین آپ سے ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''میں نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میاں نذیر کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ازالہ ہو اور میں بھی یہ جان سکوں کہ میرا دشمن کون ہے اور...... کیوں ہے؟''

''ایسا ہی ہو گا چودھری صاحب!'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔

وہ احترام بھری نظر سے مجھے تکنے لگا۔ میں نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور حویلی سے نکل کر تھانے کی جانب روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

پیجا کی گرفتاری کے لیے میں نے ایک خاص حکمت عملی سے کام لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی چھوٹی سی غلطی کی وجہ سے ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس کام کے لیے ہم نے ارشاد کے ایک دوست کا استعمال کیا۔ خالد نامی وہ شخص کسی بہانے پیجا کو گاؤں سے باہر جی ٹی روڈ تک لے کر آیا تھا جہاں درختوں کے ایک جھنڈ میں، میں اس کے ''استقبال'' کے لیے موجود تھا۔ آج کل بھی جی ٹی روڈ کی دونوں جانب آپ کو قدآور درختوں کی ایک کبھی نہ ختم ہونے والی قطاریں دیکھنے کو ملیں گی لیکن اس زمانے میں درختوں کی بہتات کسی جنگل کا سماں پیش کرتی تھی اس لیے چھپنا بہت آسان ہوا کرتا تھا۔

جب پولیس اپنے مطلوبہ مجرم پر پکا ہاتھ ڈال دے تو پھر اس کی زبان کھلوانے میں کسی وقت یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ میں نے پیجا کو لگ بھگ مغرب کے وقت حوالدار مرید حسین کے سپرد کیا تھا۔ ٹھیک دو گھنٹے کے بعد حوالدار نے آ کر مجھے بتایا کہ اس نے ٹیپ ریکارڈ کی مرمت کر دی ہے۔ میں جب چاہوں اسے بجا سکتا ہوں۔

''کافی سمجھ دار اور تجربہ کار مکینک ہو مرید حسین!''

میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''بہت جلدی تم نے ٹیپ ریکارڈر کا فالٹ پکڑ لیا ہے۔ لے آؤ اسے میرے پاس۔ میں بھی تو دیکھوں کہ اس میں سے کس درجے کا سر سنگیت خارج ہوتا ہے۔''

حوالدار ''اچھا جی'' کہتے ہوئے میرے کمرے سے نکل گیا۔

دو گھنٹے میں مرید حسین نے پیجا کی ایسی حالت بنا دی تھی جیسے وہ کئی روز سے پولیس کی تحویل میں زیر تفتیش رہا ہو۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

''دیکھو پیجا! حوالدار ضد کر رہا ہے کہ میں آج کی پوری رات تمہیں اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔ صبح تک وہ تمہارے اندر سے ایک ایک بات کھود کر نکال لے گا۔''

''اگر میں صبح تک زندہ رہوں گا، تب نا۔'' وہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فریادی لہجے میں بولا۔ ''آپ کا یہ حوالدار کسی قصاب سے کم خطرناک اور بے رحم نہیں ہے۔ یہ تو آپ کی مہربانی ہے کہ مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ اس اللہ کے بندے نے تو میری کھال اتارنے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔''

''ہاں، وہ ایسا ہی جلاد ہے۔ اس کے قبضے میں آیا ہوا بندہ تو موت کی دعائیں مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔'' میں نے پیجا کے ڈر میں اضافہ کرنے کی غرض سے کہا۔ ''میں نے تم پر خوامخواہ مہربانی نہیں کی۔ اس کے بدلے میں مجھے تمہارا دیانت دارانہ تعاون چاہیے۔''

پیجا کو میرے کمرے میں پہنچانے کے بعد مرید حسین واپس چلا گیا تھا اسی لیے پیجا نے حوالدار کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت بھی کی تھی۔ وہ میری بات کے جواب میں منت ریز لہجے میں بولا۔

''تھانیدار صاحب! میں آپ سے ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔ بس، آپ نے مجھے حوالدار کے پاس نہیں بھیجنا۔ آپ جو بھی پوچھیں گے، میں سولہ آنے سچ ہی بتاؤں گا۔''

''دیکھتا ہوں تم اپنے اس وعدے میں کتنے آنے سچے ثابت ہوتے ہو۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑتے ہوئے کہا پھر پوچھا۔ ''تم چودھری حق نواز کے ملازم ارشاد کی حیثیت سے لاہور والے میاں نذیر کو بے وقوف بناتے رہے ہو۔ مجھے بتاؤ، تمہاری چودھری حق نواز یا میاں نذیر سے کیا دشمنی تھی؟''

''کوئی نہیں جی۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میں تو بس حکم کا غلام ہوں تھانیدار صاحب!''

''تم کس کے حکم کے غلام ہو؟''

''چھوٹے چودھری صاحب کے جناب!'' اس نے بتایا۔

''چھوٹے چودھری...... مطلب چودھری علی نواز؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

''نہیں سرکار...... میں چودھری احسان صاحب کی بات کر رہا ہوں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''اوہ...... تم چودھری فرید احمد کے بڑے بیٹے احسان احمد کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے معتدل انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ''چودھری احسان کو میاں نذیر یا چودھری حق نواز سے کیا تکلیف تھی؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا تھانیدار صاحب!'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''مجھ سے چودھری احسان نے جو کہا، وہ میں نے کر دیا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔''

''تم یہ تو تسلیم کرتے ہو نا کہ ارشاد کا نام استعمال کر کے تم نے میاں نذیر سے دوستی کی پھر اسے بہلا پھسلا کر چن دا قلعہ لے آئے اور چودھری احسان سے ملوا کر میاں کی چودھری سے دوستی کروا دی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میاں نذیر کو بتایا کہ یہ علاقہ قلعہ دیدار سنگھ ہے اور چودھری احسان کو تم نے چودھری حق نواز کی حیثیت میں میاں نذیر سے متعارف کرایا تھا؟''

''جی، میں مانتا ہوں۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا اور یہ سب میں نے چھوٹے چودھری صاحب کے کہنے پر کیا ہے۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ چودھری احسان نے چودھری حق نواز بن کر میاں نذیر سے پچاس ہزار روپے ہتھیا کر پچاس ایکڑ زمین کے جعلی کاغذات اسے تھما دیے تھے؟'' میں نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔ ''اور آٹھ فروری کو جو میاں نذیر یہاں آیا تھا تو اس کے بعد پلٹ کر لاہور واپس نہیں گیا؟''

''زمین کی خرید و فروخت اور جعلی کاغذات والے معاملے کی مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''باقی میں نے آٹھ فروری والے دن میاں نذیر کو اس علاقے میں دیکھا تھا۔ وہ چودھری احسان کے ڈیرے کی طرف گیا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا تو چودھری احسان اس سے ڈیرے پر ہی ملتا تھا۔ میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ واپس لاہور چلا گیا ہوگا مگر آپ بتا رہے

ہیں کہ وہ آٹھ نو دن سے لاپتا ہے۔ یہ میرے لیے حیرت کی بات ہے۔"

"اگر تم چودھری احسان یا اس کے باپ چودھری فرید کی چودھری حق نواز سے دشمنی کے بارے میں کچھ جانتے ہو تو مجھے ابھی بتا دو۔" میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں اس جھمیلے سے نکال لوں گا لیکن اگر بعد میں مجھے پتا چلا کہ تم نے کوئی اہم بات مجھ سے چھپائی ہے تو سمجھ لو، میں تمہیں پھانسی کی سزا یا پھر عمر قید کروا کر ہی دم لوں گا۔"

وہ میرے قدموں میں گر کر گڑگڑاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا تھانیدار صاحب! آپ چاہیں تو میں اپنے مرے ہوئے ماں باپ کی قسم کھانے کو تیار ہوں۔"

"اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "تم نے مجھے سب کچھ سچ بتایا ہے اس لیے قسم کھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کی تسلی کی خاطر کہا اور پوچھا۔ "مجھے بتاؤ، کیا بڑا چودھری فرید احمد اس بات سے واقف ہے کہ تم نے چودھری احسان کے کہنے پر میاں نذیر سے فریب اور مکاری کا کھیل کھیلا ہے؟"

"میرا خیال ہے بڑے چودھری صاحب اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ "باپ بیٹے میں زیادہ بنتی نہیں ہے۔ چودھری احسان اپنی پھوپی نادرہ کے بہت قریب ہے۔ نادرہ کی کوئی بات وہ ٹالتا نہیں۔"

پیجا کے اس طویل انٹرویو میں بالآخر مجھے کام کی ایک بات مل ہی گئی تھی۔ نادرہ کا نام سامنے آتے ہی سب کچھ روزِ روشن کے مانند مجھ پر عیاں ہو گیا تھا۔ نادرہ، چودھری حق نواز اور اس کے بیوی بچوں سے شدید نفرت کرتی تھی۔ یہ ممکنات میں تھا کہ اس نے اپنے بھتیجے چودھری احسان کے ساتھ مل کر چودھری حق نواز کے خلاف یہ گھناؤنی سازش تیار کی ہو تا کہ وہ قانون کی گرفت میں آ جائے اور باقی کی زمین و جائداد بھی متنازع ہو کر رہ جائے۔

میں نے پرویز عرف پیجا کو سلطانی گواہ بنا کر اس کا بیانِ حلفی قلم بند کر لیا پھر اس بیان کی روشنی میں پہلے چودھری احسان احمد اور اس کے بعد اس کی پھوپی نادرہ کو گرفتار کر لیا۔ ان دونوں افراد کی گرفتاری کوئی آسان کام نہیں تھا مگر میں بھی ٹھہرا ایک مشکل پسند...... میں نے چودھری فرید احمد اور چودھری علی نواز کی دھمکیوں کو اپنے جوتے کی نوک پر مارتے ہوئے ان دونوں پھوپی بھتیجے کو کڑی تفتیش سے گزارنے کے بعد ان کی زبانوں سے سچ اگلوا لیا۔ حیرت کی بات یہ کہ چودھری فرید اپنے بیٹے اور چودھری علی نواز اپنی بیوی کے اس خفیہ جوائنٹ وینچر سے قطعی ناواقف تھے۔

میری کامیابی پر دو افراد سب سے زیادہ خوش تھے۔ نمبر ایک...... چودھری حق نواز، کیونکہ میں نے اس سازش کو بے نقاب کر کے اسے ذلیل و رسوا ہونے سے بچا لیا تھا۔ نمبر دو...... میاں نذیر...... جی ہاں، میاں نذیر کو چودھری احسان نے چارے والے گودام میں قید کر رکھا تھا۔ پروگرام کے مطابق چودھری حق نواز کی گرفتاری کے بعد میاں نذیر کو قتل کر کے قلعہ دیدار سنگھ کے علاقے میں پھنکوایا جانا تھا۔ بہرحال "جسے خدا رکھے، اسے کون چکھے" کے مصداق میاں نذیر کی زندگی کے دن ابھی پورے نہیں ہوئے تھے اس لیے میں نے اسے زندہ بازیاب کر لیا تھا۔

ہاں...... ایک تیسرا انسان بھی میری کامیابی پر بے حد خوش اور میرا شکر گزار تھا اور وہ تھی میاں نذیر کی بیوی نرگس۔ میں میاں نذیر کو اپنے ساتھ لاہور لے کر گیا تھا کیونکہ وہاں کی قانونی کارروائی باقی تھی۔ اس موقع پر میاں نذیر ضد کر کے مجھے اپنے گھر لے گیا تھا۔

"میاں صاحب خود کو بہت عقل مند انسان سمجھتے ہیں۔" باہمی گفتگو کے دوران میں نرگس نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "لیکن آج سے میں نے ان کا ایک نیا نام رکھ دیا ہے۔"

ہم دونوں نے چونک کر نرگس کی طرف دیکھا۔ میں تو خاموش رہا مگر میاں نذیر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ "وہ کیا......؟"

"عقل بند......!" وہ زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولی۔

"عقل بند......!" میں نے چٹخارا لیتے ہوئے دہرایا۔ "بھئی بہت اعلیٰ!"

"یہ کیا بات ہوئی؟" میاں نذیر جزبز ہوتے ہوئے بولا۔ "بھلا یہ کس قسم کا نام ہے؟" اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف دیکھا۔

"میاں صاحب! قسم کے بارے میں تو میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔ "لیکن آپ نے پچھلے ایک سال میں پے در پے جو اَن گنت حماقتیں فرمائی ہیں، اس کی روشنی میں بڑھاپے کی جوان اور خوب صورت ساتھی کا دیا ہوا یہ ٹائٹل آپ پر بہت پھب رہا ہے۔"

میاں نذیر نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے بزبانِ خاموشی کہہ رہا ہو...... بروٹس ایو تو......؟

میں نے بھی اپنی گردن کو معنی خیز جنبش دینے پر اکتفا کیا۔

(تحریر: حسام بٹ)